بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیرِ سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹300
Three years ₹450
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

اپریل 2012

فہرست

عبادت اور استعانت 2
محبت ایک دوطرفہ معاملہ 3
قلب، عقل 4
وحدتِ وجود 6
عظمتِ خداوندی کی دریافت 7
امتِ وسَط: فضیلت یا ذمّے داری 8
مثبت جواب 9
تاریخ کا سبق 10
شاتمِ رسول کی سزا 12
پیغمبر کے نام پر غیر پیغمبرانہ روش 13
مذاہب کے درمیان ہم آہنگی 14
امتِ مسلمہ کے مسائل اور اُن کا حل 15
مسلمانوں کے لیے انتباہ 18
امتِ مسلمہ کا المیہ 19
امن کی وادی 22
یہ وعدہ خلافی کا معاملہ نہیں 23
ٹکراؤ سے اعترافِ حقیقت تک 24
دوسری غلطی نہیں 26
امن اور ترقی 27
غیر اصولی موقف نہیں 28
لیڈروں کا دہرا کردار 29
بحران کے وقت 30
جسمانی معذوری کے باوجود 31
ایک عام کمزوری 32
کامیاب زندگی کا اصول 33
’انا‘ کی دیوار 34
سوال وجواب 35
خبر نامہ اسلامی مرکز 39

عبادت اور استعانت

سورہ الفاتحہ، قرآن کی پہلی سورہ ہے۔ اِس میں انسان کی زبان سے اللہ رب العالمین کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں: إيّاك نعبد، وإيّاك نستعين (1:5) خدایا، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

دین کی بنیاد دو چیزوں پر ہے— عبادت، اور استعانت۔ انسان جب اللہ کی عظمت کو دریافت کرتا ہے تو اس کا نتیجہ جس شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اس کا نام عبادت الٰہی ہے۔ اِسی طرح انسان جب اپنے عجز کو دریافت کرتا ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر جو چیز ظاہر ہوتی ہے، اس کا نام استعانت باللہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ دین کا آغاز معرفت (realization) سے ہوتا ہے۔ انسان جب آفاق اور انفس پر غور کرتا ہے تو اُس کو ایک عظیم خالق کی دریافت ہوتی ہے۔ خالق کی عظمت کا احساس اُس کے پورے وجود پر چھا جاتا ہے۔ وہ بے اختیار چاہنے لگتا ہے کہ وہ اپنے خالق کے آگے اپنے پورے وجود کے ساتھ خود کو سرینڈر (surrender) کردے، وہ اپنے پورے وجود کو اللہ کے آگے ڈال دے۔ یہ احساس، معرفت کا ایک فطری نتیجہ ہے اور اِسی فطری نتیجے کا نام عبادت ہے۔ عبادت اپنے ظاہر کے اعتبار سے، ایک فارم ہے، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ مومن کے اندر پیدا ہونے والے داخلی طوفان کا ایک خارجی ظہور ہے۔ عبادت ایک عارف انسان کی طرف سے اپنے رب کا قولی اور عملی اعتراف ہے۔

یہی معاملہ استعانت کا بھی ہے۔ ایک انسان جب اللہ کی عظمتِ کامل کو دریافت کرتا ہے تو اِسی کے ساتھ وہ اپنے عجزِ کامل کو بھی دریافت کرلیتا ہے۔ اس کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ اللہ دینے والا ہے، اور وہ صرف پانے والا۔ اللہ مُنعم ہے اور وہ محتاجِ انعام۔ یہ احساسِ عجز بار بار ذکر اور دعا کی صورت میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اِسی کا نام استعانت باللہ ہے— معرفت سے انسان کے اندر اعتراف (acknowledgement) کی اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ اِس اعتراف کے اظہار کی ایک صورت وہ ہے جو اللہ کی نسبت سے ظاہر ہوتی ہے، اِس کا نام عبادت ہے۔ اِس اعتراف کی دوسری صورت وہ ہے جو خود انسان کی نسبت سے ظاہر ہوتی ہے، اسی کو استعانت باللہ کہا جاتا ہے۔

Mar-2012

محبت ایک دوطرفہ معاملہ

ایک طویل روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ اِس روایت کا ایک حصہ یہ ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والله لا يُلقي اللهُ حبيبَه في النار (السلسلة الصحيحة للألباني، 5/531) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم، اللہ اُس شخص کو آگ میں نہیں ڈالے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

یہ حدیث کسی پُر اسرار معنی میں نہیں ہے۔ اِس حدیث میں جس محبت کا ذکر ہے، وہ دوطرفہ ہے، نہ کہ یک طرفہ۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان غور وفکر کے ذریعے اپنے خالق کو پہچانے، جو اللہ کو اپنے منعم کی حیثیت سے دریافت کرے، ایسے انسان کا حال یہ ہوگا کہ اللہ اس کا محبوب بن جائے گا، اُس کے تمام قلبی جذبات اللہ سے وابستہ ہوجائیں گے۔

جب کسی انسان کا یہ حال ہو کہ اس کے شعوری ادراک کے نتیجے میں اللہ اس کا محبوب بن جائے تو اس کے بعد ایسا انسان خود بھی اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور جب اِس اعتبار سے کوئی شخص اللہ کا محبوب بن جائے تو یہ محبوبیت اُس آدمی کے لیے اِس بات کی ضمانت ہوگی کہ اللہ اُس کو قیامت کے دن ہرگز آگ میں نہیں ڈالے گا۔

کسی انسان کا محبوبِ خدا بن جانا کوئی پُر اسرار چیز نہیں، یہ فطری اسباب کے تحت پیش آنے والا ایک واقعہ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ سے اتنا زیادہ وابستہ کرے کہ اللہ سے اُس کو محبت کے درجے میں تعلق پیدا ہوجائے، تو ایسا انسان، اللہ کی نظر میں اِس کا مستحق بن جاتا ہے کہ اللہ اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچالے۔

اللہ کا کسی انسان سے محبت کرنا بر بناءِ رحمت ہوتا ہے، اور انسان کا اللہ سے محبت کرنا بر بناءِ انعام ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت کسی بندے کے لیے ایک عطیۂ الٰہی ہے، اور بندے کی محبت اللہ کے لیے شکر واعتراف کا ایک معاملہ ہے۔ یہی شکر واعتراف بلاشبہہ جنت کی قیمت ہے۔

Mar-2012

قلب، عقل

قدیم روایتی زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ تزکیہ اور معرفت کا ذریعہ قلب (heart) ہے، مگر جدید سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کا قلب صرف گردشِ خون (circulation of blood) کا ذریعہ ہے۔ اِس کے مطابق، معرفت اور تزکیہ ایک مبنی بر دماغ (mind-based) علم ہے، وہ مبنی بر قلب (heart-based) علم نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں کچھ ایسے حوالے ہیں جن میں معرفت اور تزکیہ کو قلب سے منسوب کیا گیا ہے، پھر اس کا مطلب کیا ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں صرف قلب کا حوالہ نہیں ہے، بلکہ عقل کا حوالہ بھی قرآن میں بار بار آیا ہے۔ مثلاً: **لعلکم تعقلون** (43:3)، اور **وليتذكر أولوا الألباب** (38:29)، اور **إن في ذلك لآيات لأولي النُهى** (20:54) اور **هل في ذلك قسم لذي حجر** (89:5)، وغیرہ۔

قرآن کی اِن آیتوں میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ سب عقل (mind) کے معنی میں ہیں۔ ایسی حالت میں یہ سوال ہے کہ دونوں قسم کے قرآنی بیانات میں تطبیق کس طرح پیدا کی جائے۔ اِس طرح کے معاملات میں بلاغت کا اصول یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے تابع قرار دیا جائے۔ اِس اصول کو منطبق (apply) کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کس بیان کے حق میں اضافی قرینہ (additional evidence) موجود ہے، اور پھر جس بیان کے حق میں اضافی قرینہ موجود ہو، اس کو اصل مان کر دوسرے کو اس کے تابع قرار دیا جائے۔

قلب اور دماغ کی اِس بحث میں، دماغ کے حق میں ایک اضافی قرینہ موجود ہے، اور وہ ہے سائنس کی جدید دریافت۔ اِس لیے اِس معاملے میں یہ کیا جائے گا کہ جن آیتوں میں عقل کا حوالہ ہے، ان کو اس کے اصل معنی میں لیا جائے گا، اور جن آیتوں میں قلب کا حوالہ ہے، اُن کو اس کے ادبی معنی (literary meaning) پر محمول کیا جائے گا۔ اِس طرح قرآن میں استعمال کئے گئے دونوں لفظ

Mar-2012

(قلب اور عقل) ہم معنی قرار پائیں گے۔

کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ قلب میں سوچنے کی صلاحیت ہے۔ وہ انسانی جسم کا ایک تفکیری عضو (thinking organ) ہے، مگر یہ صرف ایک مغالطہ ہے۔ اِس دعوے کی بنیاد یہ ہے کہ عضویاتی مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قلب اور عقل کے درمیان ایک رابطہ موجود ہے۔

مگر یہ دعویٰ صرف ایک مغالطے پر مبنی ہے۔ اِس قسم کا ربط دماغ اور دوسرے تمام اعضا کے درمیان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ مگر یہ ربط فکری ربط نہیں ہوتا، وہ صرف ڈائریکشن (direction) کے معنی میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضا (organs) دماغ کی ہدایت (direction) ہی پر اپنا اپنا عمل انجام دیتے ہیں۔ کوئی بھی عضو دماغ سے آزاد ہو کر اپنا فنکشن انجام نہیں دیتا۔

اِس استدلال کی غلطی یہ ہے کہ اُس میں ربط کے معاملے کو بیان کرنے کے لیے ایک غلط لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی کمیونکیشن (communication) کا لفظ۔ اِس معاملے کو بیان کرنے کے لیے صحیح لفظ ڈائریکشن ہے، نہ کہ کمیونکیشن۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ڈائریکشن کا عمل یک طرفہ (unilateral) ہوتا ہے اور کمیونکیشن کا عمل دوطرفہ (bilateral)۔ ڈائریکشن کا لفظ بتاتا ہے کہ دماغ یک طرفہ طور پر اعضا کو اپنی ہدایت جاری کرتا ہے، جب کہ کمیونکیشن کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ دماغ اور جسم کے اعضا کے درمیان یہ عمل دوطرفہ طور پر ہوتا ہے۔

مذکورہ استدلال میں یہ کیا گیا ہے کہ پہلے ربط کے لیے کمیونکیشن کا لفظ استعمال کیا گیا اور پھر اُس سے یہ مطلب نکال لیا گیا کہ قلب ایک تفکیری عضو (thinking organ) ہے، حالاں کہ اِس مفروضہ کے لیے کوئی علمی بنیاد (scientific base) موجود نہیں۔

اس غلطی کا عظیم نقصان یہ ہوا کہ حکمت (wisdom) اہلِ سائنس کی اجارہ داری بن گئی۔ مبنی بر قلب معرفت کے نظریے کے حاملین عام طور پر حکمت سے محروم ہو کر رہ گئے، کیوں کہ وہ حکمت کو قلب میں تلاش کر رہے تھے، جب کہ قلب میں حکمت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ اہلِ مذہب کے یہاں فرضی کہانیوں کا جو دفتر دکھائی دیتا ہے، اس کا سبب حکمت کی اِسی کمی کی تلافی ہے۔

وحدتِ وجود

شیخ محی الدین ابن العربی اندلس میں 560ھ میں پیدا ہوئے اور 638ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ وہ صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: **کان ظاهريًا في العبادات، باطنيًا في الاعتقاد** (وہ عبادات میں ظاہری تھے اور عقیدہ میں باطنی تھے)۔ ان کے بارے میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ: **قدوة القائلين بوحدة الوجود** (وہ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں کے پیشوا ہیں)۔ ابن العربی نے قرآن کی آیت: **واعبد ربك حتى ياتيك اليقين** (15:99) کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: **حتى يأتيك حق اليقين، منتهى عبادتك بانقضاء وجودك فيكون هذا العابد والمعبود جميعاً لا غير**۔ یعنی یہاں تک کہ تجھے حق الیقین حاصل ہو، اور تیرے وجود کے ختم ہونے سے تیری عبادت بھی ختم ہوجائے، پھر عابد ومعبود سب ایک ہوں گے، غیر نہیں۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحدۃ الوجود کا نظریہ کن بے بنیاد دلائل پر قائم کیا گیا ہے، قرآن کی آیت کی مذکورہ تفسیر جو ابن العربی نے کی ہے، وہ بلاشبہہ ایک بے اصل تفسیر ہے، علمی اعتبار سے اُس کی کوئی حیثیت نہیں، یہ تفسیر بالرائے کی ایک بدترین قسم ہے۔ اس طرح کی تفسیر کو اگر درست سمجھا جائے تو اس سے ہر بات ثابت کی جاسکتی ہے، حتی کہ قرآن سے غیر قرآنی نظریہ بھی۔

وحدتِ وجود اصلاً ایک فلسفیانہ نظریہ ہے۔ فلسفیوں نے خدا اور موجودات کو ایک ثابت کرنے کے لئے وحدتِ وجود کا نظریہ پیش کیا۔ اس کو فلسفیانہ اصطلاح میں مانزم (Monism) کہا جاتا ہے۔ بعد کو یہ نظریہ آرین مذاہب میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد اکثر مسلم صوفیا نے اس کو اختیار کرتے ہوئے اسلام میں داخل کردیا۔ شیخ احمد سرہندی بظاہر وحدتِ وجود کے خلاف تھے، مگر انھوں نے وحدتِ شہود کے نام سے جو نظریہ پیش کیا ہے، وہ بھی وحدتِ وجود ہی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وحدتِ وجود (monism) کا نظریہ قرآن اور حدیث میں سرتاسر اجنبی ہے۔ وحدتِ وجود کا نظریہ ایک غیر اسلامی نظریہ ہے، وہ کوئی اسلامی نظریہ نہیں۔

Mar-2012

عظمتِ خداوندی کی دریافت

مشہور امریکی باکسر محمد علی کلے (پیدائش: 1942) کو جب ورلڈ ہیوی ویٹ چیمپین (World Heavy Weight Champion) کا خطاب ملا تو انھوں نے کہا کہ — میں دنیا کا بادشاہ ہوں:

I am the king of the world.

یہی کم وبیش ہر عورت اور ہر مرد کا حال ہے۔ ہر آدمی صرف اپنی ذاتی بڑائی (self glory) کو جانتا ہے۔ کسی نے خدا کی بڑائی کو دریافت نہیں کیا۔

انسان کا وجود ایک تخلیقی معجزہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود کو ڈوائن گلوری (divine glory) کے طور پر دریافت کرے۔ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے وجود میں صرف ذاتی عظمت (self glory) کو دیکھتا ہے، وہ اپنے وجود میں خدا کی عظمت کو دریافت نہیں کر پاتا۔ یہ بلاشبہہ تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

مشہور فرانسیسی فلسفی رینے ڈیکارٹ (وفات: 1650) نے اپنے مشہور قول میں کہا تھا کہ — میں سوچتا ہوں، اِس لیے میں ہوں (I think, therefore, I exist)۔ یہ کسی انسان کے لیے خود اپنی دریافت کا معاملہ ہے۔ لیکن زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے وجود میں خدا کے وجود کو دریافت کرے۔ وہ یہ کہہ سکے کہ — میں موجود ہوں، اِس لیے خدا بھی یقیناً موجود ہے:

I am, therefore, God exists

یہی معرفت کا آغاز ہے۔ انسان سب سے پہلے اپنی موجودگی کی صورت میں، خدا کی موجودگی کو دریافت کرتا ہے۔ اِس دریافت کے بعد اس کے لیے دریافتوں کا لامتناہی دروازہ کھل جاتا ہے۔ ہر نئی دریافت اس کی معرفت میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اِس طرح، انسان کے عارفانہ شعور میں مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ معرفت کا لامحدود خزانہ اُس پر انفولڈ (unfold) ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ انسان یقین اور معرفتِ خداوندی کے اعلیٰ درجے تک پہنچ جاتا ہے۔

Mar-2012

امتِ وسَط: فضیلت یا ذمّے داری

قرآن کی سورہ البقرہ میں امتِ محمدی کو 'امتِ وسط' (2:143) کہا گیا ہے، یعنی بیچ کی امت، (middle community)۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ امتِ محمدی، رسول اور عام انسانوں کے درمیان ہے۔ اُس کو رسول سے جو خدائی ہدایت ملی ہے، اس کو نسل در نسل تمام انسانوں تک پہنچانا ہے۔ اِس سے مراد وہی مستقل ذمے داری ہے جس کو دعوت الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اکثر الفاظ کا ایک لغوی مفہوم ہوتا ہے اور دوسرا اُس کا استعمالی مفہوم۔ 'وسط' کا لغوی مفہوم یا اصل مفہوم دو کناروں کے درمیان (بین طَرَفِي الشيء) ہوتا ہے۔ اُس کا ایک استعمالی مفہوم بہتر چیز (الخیر) کے معنی میں ہے۔ قرآن کی اِس آیت میں 'وسط' کا لفظ استعمالی معنی میں نہیں ہے، بلکہ وہ اِس کے اصل معنی میں ہے، یعنی درمیانی امت کے معنی میں۔ اِس آیت میں امتِ وسط کا لفظ امت کے مشن یا اس کی داعیانہ ذمے داری کو بتا رہا ہے، وہ ہرگز کسی قسم کی پُراسرار فضیلت کے معنی میں نہیں۔

قرآن کی اِس آیت میں امت محمدی کے داخلی اوصاف کو بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اِس میں امت کی خارجی ذمے داری کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ خارجی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے نقشۂ تخلیق (creation plan of God) سے لوگوں کو باخبر کرے۔ وہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اِس دعوتی کام کو جاری رکھے۔ یہ دعوتی مشن ہی وہ مشن ہے جس کی ادائیگی پر امتِ محمدی کا 'امت محمدی' ہونا متحقق ہوتا ہے۔

دعوت الی اللہ کی یہ ذمے داری امتِ محمد کے ہر فرد پر اُسی طرح فرض ہے جس طرح اس کے اوپر نماز اور روزہ فرض ہے۔ تاہم اس کی عملی صورت کا تعین ہر فرد کی ذاتی استطاعت کے اعتبار سے ہوگا۔ جو فرد جس درجہ یا جس نوعیت کی استطاعت رکھتا ہو، اُسی کے اعتبار سے اُس کو دعوت الی اللہ کا یہ فرض انجام دینا ہوگا۔ جو شخص عمل کی استطاعت رکھتا ہو، وہ عمل سے اُس میں شرکت کرے۔ جو شخص مال کے اعتبار سے استطاعت رکھتا ہو، وہ مال کے اعتبار سے اس میں شرکت کرے، وغیرہ۔ بالفرض اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ انسانوں کا سچا خیر خواہ بنے اور مدعو کی ہدایت کے لیے دل سے دعائیں کرے۔

Mar-2012

مثبت جواب

ہجرتِ رسول کے تیسرے سال مدینہ میں قریش اور اہلِ اسلام کے درمیان ایک جنگ ہوئی جو غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے۔ اِس میں بعض اسباب سے اہلِ ایمان کو شکست ہوئی۔ تقریباً 70 مسلمان مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے والوں میں خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے۔ جنگ کے خاتمے پر قریش کے سردار نے فخر کے ساتھ اپنی فتح کا کریڈٹ اپنے بت عزی کو دیتے ہوئے کہا: **لنا العزیٰ، ولا عُزّی لکم** (ہمارے پاس عزی ہے، اور تمھارے پاس کوئی عزی نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر صحابہ نے اِن الفاظ میں اِس کا جواب دیا: **اللہ مولانا، ولا مولیٰ لکم** (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 4043) اللہ ہمارا مولا ہے، اور تمھارا کوئی مولا نہیں۔

یہ صرف ایک واقعہ نہیں، بلکہ وہ زندگی کا ایک عمومی اصول ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریقِ ثانی کوئی اشتعال انگیز بات کہے تو تم اس کے جواب میں خود مشتعل نہ ہو، بلکہ مثبت انداز میں اس کا جواب دو۔ فریقِ ثانی کی طرف سے خواہ کچھ بھی کیا جائے، تمھارا طریقہ مثبت ردعمل کا طریقہ ہونا چاہئے، نہ کہ منفی ردعمل کا طریقہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ نے فریقِ ثانی کو جو جواب دیا، اُس میں بہ یک وقت دو فائدے تھے — ایک، یہ کہ صحابہ نے اپنے آپ کو منفی ردعمل کی نفسیات سے بچا لیا، اور منفی ردعمل سے بچانا ہی تزکیہ نفس کا اصل ذریعہ ہے۔ منفی ردعمل آدمی کے نفس کو آلودہ کرتا ہے اور مثبت ردعمل آدمی کے نفس کو پاک کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اِس طرح مثبت جواب دینے کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ قول محض قول نہ رہا، وہ ایک دعوت کا قول بن گیا۔ اِس کے ذریعے صحابہ نے فریقِ ثانی کو یہ پیغام دیا کہ شرک کا عقیدہ ایک بے بنیاد عقیدہ ہے۔ صحیح اور درست عقیدہ یہ ہے کہ آدمی اللہ واحد کو مانے اور اُسی سے ہر قسم کے خیر کی امید رکھے۔ ساری طاقت کا مالک اللہ ہے۔ کسی کو جو کچھ ملتا ہے، وہ صرف اللہ سے ملتا ہے، نہ کہ کسی اور سے۔

Mar-2012

تاریخ کا سبق

نورالدین زنگی (وفات: 1174ء) مصر کے سلطان تھے۔ صلاح الدین ایوبی (وفات: 1193ء) اُن کے ایک فوجی افسر تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کے انتقال کے بعد اگر چہ اُن کے بیٹے موجود تھے، لیکن صلاح الدین ایوبی نے حکومت پر قبضہ کرکے سلطان کا منصب حاصل کرلیا۔ تیسری صلیبی جنگ (Crusade) میں، جس کا زمانہ 1192-1189 عیسوی ہے، صلاح الدین ایوبی نے فاتحانہ رول ادا کیا تھا۔ اِس زمانے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مسیحی جنرل ریجی نالڈ (Reginald of Chatton) نے 1182 عیسوی میں ایک مسلم قافلے پر حملہ کرکے اس کو زیر کرلیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اُس وقت ریجی نالڈ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: **أين محمدكم لينقذكم** (**النوادر السلطانية والمحاسن اليوسفية لقاضی ابن شدّاد**، صفحہ 64) یعنی تمھارے محمد کہاں ہیں کہ وہ تم کو بچائیں۔ بعد کو حطّین کی جنگ (1187ء) میں ریجی نالڈ کو صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ ریجی نالڈ گرفتار ہوکر صلاح الدین کے کیمپ میں لایا گیا۔ اُس وقت صلاح الدین ایوبی نے ریجی نالڈ کو اُس کا قول یاد دلایا اور یہ کہہ کر اُس کو اپنی تلوار سے قتل کردیا: **ها أنا أنتصر لمحمد عليه الصلاة والسلام** (**النوادر السلطانية**، صفحہ 64) یعنی یہ لو، میں محمد علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقام لیتا ہوں۔

مسلم مورخین اِس واقعے کو سلطان صلاح الدین ایوبی کی دینی حمیت اور اس کی قوتِ ایمانی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح اسلامی شعور کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ یہ موقع تھا، جب کہ صلاح الدین اور دوسرے مسلمان ریجی نالڈ کے سامنے اِس بات کی گواہی دیتے کہ ہمارے دین کے معاملے میں تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مشکل کشا سمجھتے ہیں، حالاں کہ ہم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنا ہادی اور پیغمبر سمجھتے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق، مشکل کشائی کا اختیار صرف اللہ رب العالمین کو ہے، نہ کہ محمد یا کسی اور شخصیت کو۔ پیغمبرانہ اسوہ کے مطابق، یہ وقت ریجی نالڈ کے سامنے حق کی گواہی دینے کا تھا، نہ کہ تلوار مار کر اس کو قتل کرنے کا۔

Mar-2012

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو کچھ کیا، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، قومی حمیت یا شخصی حمیت کا معاملہ تھا، مگر قومی حمیت یا شخصی حمیت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں۔ رسول اللہ کا طریقہ حمیتِ خداوندی کا طریقہ ہے، نہ کہ قومی حمیت یا شخصی حمیت کا طریقہ۔

اِس حمیتِ خداوندی کی ایک مثال یہ ہے کہ ہجرت (622ء) کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق دشمنوں کی نظر سے بچنے کے لیے غارِ ثور میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ مگر دشمن آپ کو تلاش کرتے ہوئے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ وہ لوگ تلواریں لئے ہوئے غارِ ثور کے باہر کھڑے ہیں۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا تھا، وہ قرآن میں اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے: **لا تحزن، إن اللہ معنا** (9:40) یعنی تم غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کے معاملے میں مومن کا احساس کیا ہونا چاہیے۔ اِس طرح کے معاملے میں مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے عجز کے مقابلے میں اللہ کی قدرت کو دریافت کرے۔ وہ یہ یقین کرے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اللہ دینے والا ہے، اور اللہ چھیننے والا۔ عزت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ذلت بھی اللہ کے ہاتھ میں۔ سارا اختیار اللہ کو حاصل ہے۔ اختیار کے معاملے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

مومن پر فرض ہے کہ وہ پورے شعور کے ساتھ اِس حقیقت کو جانے۔ ذاتی اعتبار سے اُس کا یقین اِسی عقیدے پر قائم ہو۔ اِسی کے ساتھ مومن پر یہ فرض ہے کہ جب بھی اِس قسم کا کوئی وقت آئے تو وہ لوگوں کے سامنے اِس حقیقت کی گواہی دے۔ وہ لوگوں کو بتائے کہ اللہ کے اختیار میں کوئی اس کا حصہ دار نہیں۔ اللہ کے اختیار میں کسی کو حصے دار ماننا شرک ہے، اور شرک ایک ایسا جرم ہے جو اللہ کے یہاں کسی حال میں قابلِ معافی نہیں (4:48)۔ جس طرح اللہ کی قدرت میں کسی کو شریک ماننا ایک جرم ہے، اُسی طرح یہ بھی ایک جرم ہے کہ کسی مومن کے سامنے اِس طرح کی صورت پیش آئے اور وہ لوگوں کے سامنے اِس حقیقت کی گواہی نہ دے۔

Mar-2012

شاتمِ رسول کی سزا

امام ابن تیمیہ (وفات: 1328ء) اسلامی تاریخ کے انتہائی مشہور عالم ہیں۔ اُن کو ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا ہے۔ شتمِ رسول کے موضوع پر ان کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا نام یہ ہے: **الصارم المسلول علی شاتم الرسول**۔ کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی شتمِ رسول کا مرتکب ہو، اُس کو حد کے طور پر قتل کر دیا جائے۔ شتمِ رسول کی اِس سزا کو جائز ثابت کرنے کے لیے انھوں نے لمبی بحثیں کی ہیں، لیکن حقیقی طور پر اُن کے اِس موقف کے لیے نہ قرآن میں کوئی دلیل ہے اور نہ حدیث میں۔

کتاب کے مطابق، بہ ظاہر صرف ایک ''روایت'' ہے جس سے صراحت کے ساتھ شاتمِ رسول کے لیے قتل کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ خود ابنِ تیمیہ اس روایت کو منکر اور ضعیف بتاتے ہیں۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس روایت کے راوی غیر ثقہ ہیں۔ اِس اعتراف کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ: **فإن کان محفوظاً فهو دلیلٌ علی وجوب قتل مَن سبّ نبیاً من الأنبیاء** (صفحہ 93) یعنی اگر یہ روایت درست ہو، تو وہ اِس کی ایک دلیل ہے کہ جو شخص نبیوں میں سے کسی نبی کا سبّ وشتم کرے، اُس کو قتل کر دیا جائے۔

امام ابنِ تیمیہ حدیث کے بہت بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ اُن کے بارے میں امام الذہبی کا یہ قول ہے کہ — ہر وہ حدیث جس کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں، وہ حدیث نہیں (**کل حدیث لا یعرفه ابن تیمیة، فهو لیس بحدیث**)۔ ایسی حالت میں یہ سوال ہے کہ جب خود حافظِ حدیث ابن تیمیہ اِس روایت کو غیر ثقہ مانتے ہوں تو پھر ایسی غیر ثابت شدہ روایت سے قتلِ شاتم کا استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اِس قسم کا استدلال بلاشبہہ غیر دینی بھی ہے اور غیر علمی بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاتم کو قتل کرنے کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم ہے اور نہ حدیث میں۔ اِس معاملے میں مسلمانوں نے اپنے قومی جذبات کو شرعی حکم کا درجہ دے دیا ہے۔ یہ بلاشبہہ سرکشی کا فعل ہے۔ یہ خود ایک اہانتِ رسول ہے کہ رسول کے نام پر کسی انسان کو ناحق قتل کیا جائے۔ شتم اپنی حقیقت کے اعتبار سے، ایک اختلافِ رائے ہے، اور اختلافِ رائے کے مقابلے میں جو چیز مطلوب ہے، وہ علمی استدلال ہے، نہ کہ بندوق اور تلوار۔

Mar-2012

پیغمبر کے نام پر غیر پیغمبرانہ روش

20-24 جنوری 2012 کے دوران راجستھان میں جے پور لٹریچر فیسٹول (Jaipur Literature Festival) ہوا۔ یہ ایک انٹرنیشنل فیسٹول تھا۔ اِس میں مختلف ملکوں کے آرٹسٹ اور اہلِ علم بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ اِس فیسٹول میں سلمان رشدی (مقیم لندن) کو بھی بلایا گیا تھا، مگر انڈیا کی مسلم تنظیموں نے اِس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور یہ مانگ کی کہ رشدی انڈیا میں نہ آنے پائیں، کیوں کہ انھوں نے اپنی کتاب *(The Satanic Verses)* میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ حکومتِ ہند نے سیاسی مصالح کے تحت، مسلمانوں کے اِس مطالبے کو مان لیا اور سلمان رشدی کے دورۂ ہند کو منسوخ کردیا گیا۔ ہندستان کے مسلمانوں نے یہ مطالبہ بہ ظاہر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا تھا، مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ پیغمبر اسلام کے اُسوہ (model) کی نفی تھا۔ یہ بہ ظاہر فتح، اپنے نتیجے کے اعتبار سے، صرف بدترین شکست کے ہم معنی تھی۔ اِس طرح کے معاملے میں پیغمبر اسلام کا اسوہ یہ ہے کہ اس کو غیر جذباتی انداز میں دیکھا جائے، مسئلہ (problem) کو نظر انداز کرتے ہوئے موقع (opportunity) کو استعمال (avail) کیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں کعبہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ یہ بلاشبہہ ایک مسئلہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ اِنھیں بتوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں وہاں مشرک زائرین آتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے کعبہ میں بتوں کی موجودگی کو نظر انداز کیا اور مشرک زائرین کے سامنے قرآن کا پیغام پیش کیا۔ جے پور لٹریچر فیسٹول کے موقع پر مسلمانوں کو یہی کام کرنا تھا۔ اِس فیسٹول میں ہندستانی اور غیر ہندستانی لوگ بڑی تعداد میں شریک ہورہے تھے۔ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہئے تھا کہ وہ فیسٹول کے ناخوش گوار پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کو ایک موقع دعوت (Dawah opportunity) کے طور پر استعمال کریں۔ وہ وہاں اپنا اسٹال لگائیں اور لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دوسری اسلامی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں۔ یہی اِس معاملے میں پیغمبر اسلام کا نمونہ ہے۔

Mar-2012

مذاہب کے درمیان ہم آہنگی

موجودہ زمانہ سوشل موبلائزیشن (social mobilization) کا زمانہ ہے۔ اِس بنا پر ہر جگہ ایک نیا ظاہرہ پیدا ہوا ہے، وہ یہ کہ ہر جگہ مختلف مذاہب کے لوگ ایک ساتھ رہنے لگے ہیں۔ اِس بنا پر کانفرنسوں اور سیمیناروں میں ایک نیا بحث کا موضوع بن گیا ہے، وہ یہ کہ مختلف مذاہب کے سماج (multi-religious society) کے درمیان کس طرح ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ اِس سوال کو لے کر جگہ جگہ ایسے سیمینار کئے جارہے ہیں جن کا موضوع بین مذاہب ہم آہنگی (interfaith harmony) ہوتا ہے۔

اِس طرح کے سیمناروں اور کانفرنسوں کی کثرت کے باوجود اصل مسئلہ بدستور باقی ہے۔ اِس طرح کے اجتماعات کسی بھی درجے میں سماجی اتحاد کے مطلوب مقصد کو پورا نہ کرسکے۔ اِس ناکامی کا سبب یہ ہے کہ اِس معاملے میں خود مطالعے کا زاویہ درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس مسئلے کا تعلق بین مذاہب اتحاد (interfaith harmony) سے نہیں ہے، بلکہ وہ اہلِ مذاہب کے درمیان اتحاد (harmony among the people of faith) سے ہے۔

اپنی نوعیت کے اعتبار سے، یہ ایک سماجی مسئلہ ہے، نہ کہ اعتقادی مسئلہ۔ اِس مسئلے کے حل کے لیے ہم کو سماجی اتحاد کا فارمولا دریافت کرنا ہے۔ مذہبی اتحاد کی بات ایک علاحدہ بات ہے، اُس کا اِس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔

اہلِ مذاہب کے درمیان اتحاد کے لیے ہمیں کوئی نیا فارمولا وضع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی آزمودہ فارمولا ہے جو تمام قوموں کے درمیان عملاً تسلیم کرلیا گیا ہے، اور وہ ہے، پرامن بقائے باہم (peaceful co-existence) کا فارمولا۔ اِس معاملے میں لوگوں کے اندر جو ذہن بنانا ہے، وہ ہے ایک دوسرے کا باہمی احترام کرتے ہوئے وسیع تر سماجی مفاد کے لیے متحد ہوکر کام کرنا — وحدتِ ادیان (unity of faiths) اور سماجی اتحاد (social unity) دونوں ایک دوسرے سے الگ موضوعات ہیں۔ اِس مسئلے کا حل صرف اُس وقت ممکن ہے جب کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھا جائے۔

Mar-2012

امتِ مسلمہ کے مسائل اور اُن کا حل

جولائی 2011 میں ایک عرب ملک میں ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس میں 76 ملکوں کے 222 نمائندے شریک ہوئے۔ کانفرنس کے شرکا میں مسلم علما کے علاوہ، عرب ملکوں کے اعلیٰ ذمے داران بھی شریک ہوئے۔ اِس کانفرنس کا عنوان یہ تھا— عالمِ اسلام: دشواریاں اور حل:

العالم الإسلامی: المشکلات والحلول (The Muslim World: Issues and Solutions)

کانفرنس کے شرکا نے اپنے مقالات میں جو باتیں کہیں، رپورٹ کے مطابق، اس کا خلاصہ یہ تھا:

ایک صاحب نے اپنے مقالے میں امتِ مسلمہ میں فرقہ وارانہ اختلافات کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ مسئلہ بہت زیادہ سنگین ہے، کیوں کہ اَعداءِ اسلام کی طرف سے اِس کا استحصال کیا جارہا ہے۔ اِسی طرح مسلم حکومتوں سے درخواست کی گئی کہ سیاسی اختلافات کے لیے مذہب کو آلۂ کار نہ بنایا جائے۔ اِسی طرح ایک صاحب نے کہا کہ مسلمانوں میں امت ہونے کا تصور ختم ہوگیا ہے اور مسلمانوں نے علاقائیت کو اختیار کرلیا ہے، حالاں کہ مسلمانوں کے لیے باہمی رشتے کی بنیاد دین ہے، نہ کہ کوئی خطۂ زمین۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے فقہی ذخیرے میں عبادات پر تو بے شمار کتابیں ہیں، لیکن اسلام کے نظامِ سیاست پر محض چند کتابیں پائی جاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسلام کا باضابطہ مجموعۂ قوانین مرتب کیا جائے۔ اِسی طرح ایک صاحب نے کہا کہ مسلم ممالک کا فریضہ ہے کہ وہ جدید صنعت وٹکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھیں، ورنہ وہ دوسری قوموں کے محتاج ہوکر رہ جائیں گے، وغیرہ۔

یہ تمام باتیں اصل مسئلے کی نسبت سے، غیر متعلق (irrelevant) ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں، مسلم امت کا مسئلہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اصل منصبی فریضے کو چھوڑ دیا ہے، یہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ہے۔ اِس بنا پر موجودہ زمانے کے مسلمان نصرتِ الٰہی سے محروم ہوگئے ہیں۔ تمام مسائل دراصل اِسی دعوتی غفلت کا نتیجہ ہیں۔ امتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل کے حل کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ

Mar-2012

مسلمان دعوت الی اللہ کی اہمیت کو سمجھیں اور وہ اس کے لیے منصوبہ بند انداز میں عمل کریں۔ دعوت کا فریضہ ادا کرنے ہی سے امت کے مسائل حل ہوں گے، اِس کے سوا، کوئی اور تدبیر امت کے مسائل کو حل کرنے والی نہیں۔ دوسری تمام تدبیروں سے اُن کے مسائل میں صرف اضافہ ہوگا، اِس کے سوا اور کچھ نہیں۔

دعوت کیا ہے۔ دعوت سادہ طور پر اعلان (announcement) کا نام نہیں۔ دعوت ایک انقلابی مشن ہے جو داعی کی پوری زندگی میں بھونچال کی طرح داخل ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے ہر پہلو کو ایک نیا رخ دے دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمان بہت سے مسائل سے دوچار ہیں۔ اِس معاملے میں اصل سوال خود مسائل کی موجودگی کا نہیں ہے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ یہ مسائل کیوں پیدا ہوئے۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ماضی میں مسلمانوں کی یہ حالت نہ تھی۔ یہ صرف موجودہ زمانے کی بات ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اِن مسائل میں مبتلا پا رہے ہیں۔ اِس فرق کے مطالعے ہی میں اِس سوال کا جواب ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے مسائل کا حل کیا ہے۔

اِس معاملے میں قرآن کی ایک آیت ایک رہنما آیت کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کی سورہ الانفال میں قوموں کے عروج وزوال کا قانون اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **ذلك بأن الله لم يك مغيّراً نعمةً أنعمها علىٰ قوم حتى يغيروا ما بأنفسهم** (8:53)۔ ایک اور قرآنی آیت: **وأمّا ما ينفع الناس فيمكث في الأرض** (13:17) کو شامل کرکے اِس معاملے کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں عزت اور استحکام کا راز یہ ہے کہ قوم دوسروں کے لیے دینے والی (giver) بنی ہوئی ہو۔ اِس کے برعکس، جب کوئی قوم لینے والی (taker) بن جائے تو اس کو عزت واستحکام حاصل نہیں رہتا۔

دورِ اول کے مسلمان، دعوت کے تصور پر کھڑے ہوئے تھے، یعنی وہ دنیا کو زندگی کی بہتر آئڈیالوجی دے رہے تھے۔ اِس لیے ان کو قوموں کے درمیان عزت ووقار کا درجہ حاصل تھا۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں نے نفع بخشی کی یہ حیثیت کھودی ہے۔ اب اُن کے پاس صرف شکایت اور احتجاج کی زبان ہے۔ مسلمان صرف یہ اعلان کررہے ہیں کہ دنیا ہم کو ہمارے حقوق نہیں دے رہی ہے۔ اور فطرت کا یہ قانون ہے کہ جو قوم نفع بخشی کی صلاحیت کھودے، اس کو کبھی عزت ووقار کا درجہ نہ ملے۔

Mar-2012

دورِ قدیم کے مسلمانوں کی نفع بخشی کا اعتراف مورخین نے عام طور پر کیا ہے۔ مثلاً پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ عرب جب انڈیا میں آئے تو انھوں نے انڈیا کو ایک شان دار کلچر (brilliant culture) دیا۔ سوامی وویکا نند نے اعتراف کیا ہے کہ انڈیا کو مسلمانوں سے مساوات کا تحفہ ملا۔ بریفالٹ (Briffault) نے اعتراف کیا ہے کہ قرونِ وسطی میں مسلمانوں نے جو علمی ترقیاں کیں، اُس سے مغرب کی جدید سائنس وجود میں آئی۔

قدیم زمانے کے مسلمانوں میں نفع بخشی کی یہ صلاحیت کیسے پیدا ہوئی۔ اس کا اصل راز یہ تھا کہ وہ دینِ توحید کے مبلغ بن گئے۔ توحید کا تصور ایک انقلابی تصور تھا۔ اِس تصور نے اُن کو ایک ایسی آئڈیالوجی دی جس کی ضرورت تمام دنیا کو تھی۔ توحید کی آئڈیالوجی نے مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا کردی۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں عزم وحوصلے کے ساتھ داخل ہوگئے۔ اُن کو یقین تھا کہ ان کے پاس دنیا کو دینے کے لیے وہ چیز ہے جو دنیا کے پاس نہیں ہے۔ اس یقین نے اُن کے اندر ایک تسخیری شخصیت پیدا کردی۔ اِس یقین کے فکری نتیجے کے طور پر ان کی تمام فکری اور عملی صلاحیتیں جاگ اٹھیں۔

دورِ اول کے مسلمانوں اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے درمیان اصل فرق یہی ہے۔ جب تک یہ فرق دور نہ کیا جائے، اُس وقت تک موجودہ صورتِ حال بدلنے والی نہیں۔ یہی وہ فطری حقیقت ہے جس کو امام مالک نے اِن الفاظ میں بیان کیا تھا: لا يصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أوله (مسند الموطأ: رقم: 783) یعنی اِس امت کے آخری دور کے معاملات بھی اُسی طرح درست ہوں گے جس طرح دورِ اول کے مسلمانوں کے معاملات درست ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی فرد یا گروہ کا احساس یہ ہو کہ اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے کوئی چیز ہے تو یہ احساس اس کے لیے ایک انقلابی واقعہ بن جائے گا۔ یہ احساس اس کی تمام صلاحیتوں کو جگا دیتا ہے۔ اس کے اندر بے پناہ عزم پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں حوصلے کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اِس کا انتظار نہیں کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے مسائل کو حل کریں۔ وہ خود اپنی ذاتی جدوجہد سے اپنے تمام مسائل کو حل کر ڈالتا ہے۔

Mar-2012

مسلمانوں کے لیے انتباہ

قرآن کی سورہ الانعام میں اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ لوگوں کو دو گروہوں میں بانٹ دے اور یہ دونوں گروہ باہم ایک دوسرے کے خلاف خونیں لڑائی اور خونیں جنگ شروع کردیں۔ چناں چہ فرمایا کہ: **أو یلبسکم شیعا ویُذیق بعضکم بأس بعض** (6:65) یہ بلاشبہہ عذاب کی نہایت بری صورت ہے، کیوں کہ یہ عذاب بھی ہے اور اسی کے ساتھ ذلت بھی۔

قرآن کی اِس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اُس کا تعلق صرف غیر مسلموں سے نہیں، بلکہ اُس کا تعلق خود مسلمانوں سے بھی ہے۔ یہ بات مختلف احادیث سے ثابت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو انتباہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: **لا ترجعوا بعدی کفّاراً، یضرب بعضُکم رِقابَ بعض** (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 1739) یعنی میرے بعد تم لوگ دوبارہ کافر نہ ہوجانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ: **مَن حمل علینا السلاح، فلیس منا** (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6874) یعنی جو شخص ہمارے اوپر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں۔ نیز فرمایا کہ: **سباب المسلم فسوقٌ وقتالہ کُفرٌ** (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6044) یعنی مسلمان پر سب وشتم کرنا فسق ہے اور اُس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ قرآن میں یہاں تک آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اُس پر اللہ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہے۔ اور اللہ نے اُس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (4:93)۔

موجودہ زمانے میں مسلم ملکوں میں جو باہمی لڑائیاں ہو رہی ہیں، وہ بلاشبہہ اِن آیتوں اور حدیثوں کا مصداق ہیں۔ اِن لڑائیوں میں مسلمان دو طبقے میں بٹ گئے ہیں — ایک، حکمراں طبقہ اور دوسرا، غیر حکمراں طبقہ۔ دونوں ایک دوسرے کے خلاف خونیں لڑائی لڑ رہے ہیں۔ یہ باہمی لڑائیاں بلاشبہہ فعلِ حرام کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ واقعہ ان مسلمانوں کے لیے دنیا میں ذلت کا سبب ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب۔

Mar-2012

امتِ مسلمہ کا المیہ

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنما أخاف علی أمتي الأئمةَ المُضِلِّین، وإذا وُضع السیف في أمتي، لم یُرفع عنهم إلی یوم القیامة (سنن أبي داؤد، رقم الحدیث : 5427) یعنی میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ گم راہ کن لیڈروں سے ڈرتا ہوں، اور جب میری امت کے اندر تلوار داخل ہوگی تو اس کے بعد وہ قیامت تک اُس سے اٹھائی نہ جائے گی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ امتِ محمدی کے اندر یہ تلوار حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے میں داخل ہوئی۔ یہ معاملہ گمراہ کن لیڈروں کے ذریعہ پیش آیا اور عملاً وہ آج تک مختلف صورتوں میں جاری ہے۔ اصل یہ ہے کہ اسلام کا اصل ماڈل دعوتی ماڈل ہے۔ رسول اور اصحاب رسول کے زمانے میں یہی ماڈل امت کے درمیان جاری رہا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اس میں تبدیلی آئی۔ اب امت کے اندر غیر دعوتی ماڈل رائج ہوگیا۔

دعوتی ماڈل پر امن مشن کا ماڈل ہے۔ اِس ماڈل میں مثبت سوچ ہوتی ہے، تعمیری سرگرمیاں ہوتی ہیں، تمام سرگرمیاں دعوت کے مرکزی تصور کے تحت تشکیل پاتی ہیں، ٹکراؤ کے بجائے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ دشمن کو دوست بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اختلاف کو گفت وشنید (negotiation) کے ذریعے حل کیا جاتا ہے، وغیرہ۔

غیر دعوتی ماڈل کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ اس میں نفرت اور تشدد اور ٹکراؤ جیسی چیزیں فروغ پاتی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد امت میں غیر دعوتی ماڈل رائج ہوگیا۔ اس کے بعد امت کے اندر کوئی ایسی طاقت ور شخصیت نہیں ابھری جو غیر دعوتی ماڈل کو ختم کرے اور امت کے اندر دوبارہ دعوتی ماڈل کو رائج کرے۔ یہی امتِ مسلمہ کا اصل المیہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اِس المیہ کو دور کرکے امت کو دوبارہ دعوتی ماڈل پر لایا جائے۔ اِس کے بغیر امت کا کوئی مسئلہ حل ہونے والا نہیں۔

Mar-2012

امتِ مسلمہ کے اندر تلوار کا داخل ہونا کیا ہے۔ یہ دراصل تاریخی اسباب کے تحت پیش آنے والا ایک واقعہ ہے۔ اسلام کے ابتدائی تیرہ سالہ دور کو مکی دور کہا جاتا ہے۔ اِس دور میں اسلام کا جو ماڈل بنا، وہ پوزیشن آف ماڈسٹی (position of modesty) پر مبنی ایک ماڈل تھا۔

مدنی دور کے بعد، اسلامی تاریخ کا جو دور آیا، وہ تقریباً ہزار سال تک جاری رہا۔ اِسی بعد کے دور میں، اسلام کا کتب خانہ وجود میں آیا۔ وہ چیز جس کو مسلم فکر کہا جاتا ہے، وہ تمام تر اِس بعد کے دور میں بنا جو کہ پوزیشن آف اسٹرینتھ (position of strength) کا دور تھا۔

مکی دور میں جو حالات تھے، اس کے مطابق، اُس زمانے کا مسلم فکر تمام تر صبر پر مبنی تھا۔ اُس زمانے کے مسلمان، اپنے حالات کے مطابق، امن کی اصطلاحوں میں سوچتے تھے، نہ کہ جنگ کی اصطلاحوں میں۔ اُس زمانے میں، مسلمانوں کے اندر دعوت کا چرچا تھا، نہ کہ جہاد کا چرچا۔ اُس زمانے کے مسلمان ترغیب (persuasion) میں یقین رکھتے تھے، نہ کہ نفاذ (implementation) میں۔ اُس زمانے کے مسلمان دوسروں کو مدعو کی نظر سے دیکھتے تھے، نہ کہ حریف (rival) کی نظر سے۔

اِس قسم کی صفات کے نتیجے میں اُس زمانے کے مسلمانوں کے اندر جو ذہن بنا، وہ تمام تر داعیانہ ذہن تھا۔ سیکولر اصطلاح میں، اِس ذہن کو ایک غیر سیاسی ذہن (non-political mind) کہا جاسکتا ہے۔ اِس کے برعکس، پوزیشن آف اسٹرنتھ کے دور میں جو ذہن بنا، وہ ہر اعتبار سے، مذکورہ ذہن سے مختلف تھا۔ بعد کے دور میں جو اسلامی لٹریچر تیار ہوا، اس میں صبر کو منسوخ سمجھ لیا گیا۔ تالیفِ قلب ایک غیر ضروری روش قرار پائی۔ اب غیر مسلموں کے لیے ''کفار'' کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ مسلم علاقہ دارالاسلام ہے اور غیر مسلم علاقہ دار الکفر یا دار الحرب۔ اب یہ ذہن بن گیا کہ ہم کو پُر امن دعوت دینے کی ضرورت نہیں، حاکمانہ طاقت کے زور پر ہم، لوگوں سے اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ اب یہ سمجھا جانے لگا کہ مسلمان خیر امت ہیں اور دوسرے لوگ کافرانہ امت۔ اِسی دور میں ایک عرب شاعر نے مسلم دبدبے کو اِن الفاظ میں بیان کیا تھا کہ — جہاں دوسرے لوگ ایک فوج بھیجتے ہیں، وہاں ہم صرف ایک خط بھیج دیتے ہیں:

إذا ما أرسل الأمراء جیشاً　　　إلی الأعداء، أرسلنا الکتابا

Mar-2012

ہزار سالہ اقتدار کے دور میں یہی چیزیں مسلمانوں کے ذہن کی تشکیل کرتی رہیں۔ یہ فکر نسل در نسل چلتا رہا، یہاں تک کہ پوزیشن آف اسٹرنتھ کے تصور کے تحت پوری امتِ مسلمہ کی کنڈیشننگ ہوگئی۔ تمام دنیا کے مسلمان اِسی انداز پر سوچنے لگے۔ کسی اور انداز پر سوچنا ان کے لیے ناممکن ہوگیا۔

اٹھارھویں صدی کے خاتمے کے ساتھ مسلم امت کے لیے پوزیشن آف اسٹرنتھ کا دور ختم ہوگیا۔ اب ساری دنیا میں مسلم ایمپائر کے بجائے، مغربی ایمپائر قائم ہوگیا۔ مسلم تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب کو ساری مسلم دنیا میں غلبہ حاصل ہوگیا۔ مسلمانوں کی شوکت ختم ہوگئی اور غیر مسلموں کی شوکت ہر جگہ قائم ہوگئی۔ یہ وقت مسلم رہنماؤں کے لیے سخت امتحان کا وقت تھا۔ مسلم رہنماؤں کو چاہیے تھا کہ وہ تاریخ کے فیصلے کو سمجھیں اور مسلمانوں کو مشورہ دیں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم مکی ماڈل کی طرف لوٹو، یعنی پوزیشن آف ماڈسٹی کے ماڈل کی طرف۔ لیکن مسلم رہنماؤں نے اِس کے برعکس، یہ کیا کہ انھوں نے ''تحفظِ ملت'' کے نام پر مسلمانوں کو ابھارا کہ وہ پوزیشن آف اسٹرنتھ کی حالت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے مفروضہ ظالموں کے خلاف جنگ چھیڑ دیں۔ مسلمانوں کے اندر یہ غیر دانش مندانہ جنگ تقریباً دو سو سال سے جاری ہے — اب آخری وقت آگیا ہے کہ مسلمان اپنی اِس تباہ کُن روش کو بدلیں۔ وہ حقائق کی بنیاد پر اپنے عمل کی نئی منصوبہ بندی کریں۔ اِس کے سوا، کوئی بھی دوسرا راستہ اُن کو کامیابی تک پہنچانے والا نہیں۔

مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز کتابیں اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Md. Yusuf
C/O Alia Hardware
Opp. City Post Office, Main Road, Motihari
East Champaran-845401, Bihar
09973360552

بنگلور میں مولانا وحید الدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں،
قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Centre for Peace, Bangalore
Tel. 080-22239121, Mob. 09886243194
Email.: thecentreforpeace@gmail.com

Mar-2012

امن کی وادی

کشمیر میں ہر طرف فطرت کے مناظر ہیں— سرسبز درخت، پانی کے چشمے، بہتے ہوئے دریا، چڑیوں کی چہچہاہٹ، پھلوں اور پھولوں کی بہاریں، اِس طرح پورا کشمیر فطرت کا گارڈن نظر آتا ہے۔ کشمیر کا یہ سرسبز ماحول اپنی خاموش آواز میں پکار رہا ہے کہ یہاں نفرت اور عداوت کے لیے کوئی جگہ نہیں، یہاں تشدد کا کلچر چلانا خدا کے تخلیقی منصوبہ کے خلاف ہے، اور جو چیز خدا کے تخلیقی منصوبہ کے خلاف ہو، وہ کبھی خدا کی اِس دنیا میں کامیاب ہونے والی نہیں۔

کشمیر میں 2012 کے موسم سرما میں بڑی مقدار میں اسنو فال (snow fall) ہوا۔ اسنو فال ایک خوب صورت فطری ظاہرہ (natural phenomenon) ہے۔ کسی نے درست طور پر کہا ہے کہ اسنو فال ایک قسم کی روحانی بارش (spiritual rain) ہے۔

13 فروری 2012 کو ایک کشمیری مسلمان کی طرف سے موبائل پر ہمارے ایک ساتھی کو یہ میسج (SMS) ملا— کشمیر اِس وقت اسنو فال کی وجہ سے سفید ہو رہا ہے۔ سفیدی، امن کی علامت ہے۔ یہ فطرت کا سبق ہے، اور فطرت کے اِس پیغام کی خلاف ورزی صرف تباہی تک پہنچانے والی ہے:

> Today Kashmir is white due to snow fall. White is the symbol of peace. This is the lesson from nature, and violation of the law of nature always leads to destruction.

کشمیری مسلمان کا یہ پیغام گویا کشمیر کی روح کی ایک پکار ہے۔ کشمیر کی روح، فطرت کی زبان میں یہ پکار رہی ہے کہ کشمیر اپنی تخلیق کے اعتبار سے، امن کی ایک وادی ہے۔ کشمیر کو اس کے خالق نے اِس لیے چنا ہے کہ وہ دنیا کو امن کا پیغام دے۔ وہ فطرت کا ایک ایسا گھوارا بنے جہاں سے خدا کے بندوں کو امن اور انسانیت کا پیغام ملے— یہی کشمیر کا اصل رول ہے، اہل کشمیر کے لیے ترقی اور کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ خدا کے عطا کئے ہوئے اپنے اِس رول کو پہچانیں اور اُس کو بھرپور طور پر انجام دیں۔

Mar-2012

یہ وعدہ خلافی کا معاملہ نہیں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں خلافت کے سوال پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ انصار کا یہ کہنا تھا کہ: منا أمیر، ومنکم أمیر (ایک امیر مہاجرین میں سے اور ایک امیر انصار میں سے)۔ آخر کار حضرت عمر کے اس قول پر فیصلہ ہوا: نحن الأمراء، وأنتم الوزراء (مہاجرین میں سے امیر ہوں اور انصار میں سے وزیر)۔ لیکن بعد کو اِس وعدے پر عمل نہ ہوسکا۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے آخری زمانے میں کہا کہ — ہم نے انصار سے وعدہ کیا تھا کہ ہم خلافت کے کام میں انصار کو وزیر بنائیں گے، لیکن ہم ایسا نہ کرسکے: واللہ ما وفینا لھم، کما عاھدناھم علیہ (مسند البزّار، رقم الحدیث: 281) یہ وعدہ خلافی کی بات نہ تھی، بلکہ وہ اجتماعی حکمت کی بات تھی۔ اسلام میں یہ مطلوب ہے کہ جب کوئی وعدہ کیا جائے تو اُس کو پورا کیا جائے، مگر یہ حکم انفرادی معاملات کے لیے ہے۔ انفرادی معاملات میں ایک فرد کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے وعدے کو پورا کرسکے، اِس لیے فرد کے اوپر یہ لازم ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرلے تو وہ اُس کو ہر حال میں پورا کرے، وہ کسی بھی عذر کی بنا پر اپنے وعدے کے خلاف عمل نہ کرے۔

مگر اجتماعی زندگی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جو وعدہ سیاسی اور اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہو، وہ عام معنوں میں ایک وعدہ نہیں ہوتا۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، چوں کہ اجتماعی حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، مختلف قسم کے تقاضے اُس کے اوپر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، اِس لیے اِس قسم کے وعدے کبھی حتمی نہیں ہوتے، وہ حالات کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ اجتماعی وعدوں کے معاملے میں طرفین کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ حالات کے تقاضے کو سمجھیں۔ وہ ابتدائی الفاظ پر اصرار کرنے کے بجائے بعد کے پیدا شدہ حالات سے مطابقت پر راضی ہوجائیں — اجتماعی زندگی کے معاملات کبھی آئڈیل وزڈم (ideal wisdom) پر طے نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ پریکٹکل وزڈم (practical wisdom) پر طے ہوتے ہیں۔ یہی اسلام کا تقاضا ہے، اور یہی عقل کا تقاضا بھی۔

Mar-2012

ٹکراؤ سے اعترافِ حقیقت تک

میڈیا میں دو خبریں ایک ساتھ آئی ہیں— ایک، یہ کہ پاکستانی لیڈرشپ نے کشمیر کے اِشو کو وقتی طور پر ختم کردیا ہے۔ یہ خبر نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (27 فروری 2012) میں اِس عنوان کے تحت چھپی ہے— پاکستان، کشمیر کے اشو کو وقتی طور پر ردّی اشیا کے خانے میں ڈال سکتا ہے:

Pakistan may junk Kashmir issue temporarily

دوسری خبر کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کا خفیہ رہائشی کمپاؤنڈ واقع تھا۔ 3 مئی 2011 کو امریکا نے ایک ٹارگیٹڈ اٹیک (targetted attack) کے ذریعے وہاں اسامہ بن لادن کو ہلاک کردیا۔ اب خبر ہے کہ خود پاکستانی حکومت نے اسامہ بن لادن کے اِس رہائشی کمپاؤنڈ کو 25 فروری 2012 کو رات کے اندھیرے میں ڈھا دیا۔ اُس کا ملبہ وہاں سے دور پھینک دیا ہے۔ اِس واقعے کی تصویر ٹائمس آف انڈیا (27 فروری 2012) کے صفحہ 18 پر شائع ہوئی ہے۔

اِن دونوں خبروں کا خلاصہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ کشمیر میں جہاد کے نام سے جو متشددانہ جدوجہد شروع کی گئی تھی، وہ اب اپنے فطری انجام کو پہنچ کر ختم ہوگئی ہے، مذکورہ خبر میں ’’وقتی طور پر‘‘ (for the time being) کا لفظ محض ڈپلومیٹک ہے۔ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے، اُس کا مطلب

DEMOLITION ZONE: Cops stand guard as former al-Qaida supremo Osama bin Laden's safehouse in Abbottabad is demolished.

Mar-2012

صرف یہ ہے کہ پاکستان نے اب ہمیشہ کے لیے اِس بے نتیجہ اشو کو ترک کردیا ہے، یہاں تک کہ اب اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان میں متشددانہ جدوجہد کی علامتوں تک کو مٹا دیا جائے۔ اِس کی ایک مثال پاکستان میں اسامہ بن لادن کی رہائش گاہ کی مسماری ہے۔

کشمیر کی نام نہاد جنگ، کشمیریوں کی اپنی آواز نہ تھی، وہ مکمل طور پر پاکستان کی برآمد کردہ جنگ (exported war) تھی۔ پاکستان نے اب حالات کی مجبوری کے تحت اُس کا خاتمہ کردیا ہے۔ ایسی حالت میں اب کشمیر کی نام نہاد جنگ کو جاری رکھنے کا نہ کوئی جواز ہے اور نہ کوئی امکان۔ اب اہلِ کشمیر کے لیے متعدد انتخابات (options) نہیں رہے۔ اب اُن کے لیے ایک ہی ممکن انتخاب ہے، یہ کہ وہ ہتھیار اور ہتھیار کی سیاست دونوں کا مکمل خاتمہ کردیں، اور پُر امن جدوجہد کے ذریعے اپنے مستقبل کی تعمیر کریں۔

اجتماعی زندگی میں اقدام کی دو صورتیں ہوتی ہیں — ایک، یہ صورت کہ وہ اپنے مطلوب انجام تک پہنچے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے انجام کے اعتبار سے، کاؤنٹر پروڈکٹیو (counter-productive) ثابت ہو، یعنی الٹا نتیجہ برآمد کرنے والا۔ پاکستان کی طرف سے چھیڑی ہوئی کشمیری جنگ کا یہی دوسرا انجام ہوا ہے۔ اِس جنگ میں پاکستان نے بہت زیادہ کھویا، لیکن وہ اپنے مطلوب کو نہ پاسکا۔

پاکستان کے لیے یہ ایک حقیقت پسندانہ فیصلہ ہے کہ وہ اس تباہ کُن جنگ سے اپنے آپ کو الگ کررہا ہے، مگر اہلِ پاکستان کے لیے زیادہ بڑا مسئلہ تصحیحِ فکر کا ہے، یعنی منفی سوچ کو چھوڑ کر مثبت سوچ کو اختیار کرنا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کھلے طور پر یہ اعلان کرے کہ کشمیر کی جنگ چھیڑنا ہماری ایک مہلک غلطی تھی۔ غلطی کے کھلے اعلان کے بغیر پاکستان کو اس کا کوئی حقیقی فائدہ ملنے والا نہیں۔ غلطی کے اعلان کا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکستان میں ایک نئی مثبت سوچ (positive thinking) کا آغاز ہوجائے گا۔ پاکستان کے لوگ اِس معاملے میں اپنی منفی نفسیات کی بنا پر غیر حقیقت پسندانہ سوچ کا شکار ہوگئے۔ اِس طرح کا اعلان اُن کو ایک نئی رہنمائی دے گا۔ وہ مثبت سوچ میں جینے لگیں گے۔ اُن کی قومی پالیسی جواب تک غیر حقیقت پسندانہ طرزِ فکر پر کھڑی ہوئی تھی، وہ حقیقت پسندانہ طرزِ فکر پر قائم ہوجائے گی۔ یہ واقعہ پاکستان اور اس کے حلیفوں کے لیے بلاشبہہ ایک انقلابی واقعہ ہوگا۔

Mar-2012

دوسری غلطی نہیں

6 فروری 2012 کو پاکستان کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اسلام آباد میں ایک بیان دیا۔ یہ بیان پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا دونوں میں عمومی طور پر رپورٹ کیا گیا۔ اِس بیان میں انھوں نے کہا تھا کہ ’’کشمیر کے لیے پاکستان اب مزید جنگ کا تحمل نہیں کرسکتا۔ انھوں نے کہا کہ اِس سے پہلے کشمیر کے لیے ہم نے انڈیا سے چار مرتبہ (1948, 1965, 1971, 1999) جنگ کی ہے، لیکن اِس جنگ سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ کشمیر کا مسئلہ صرف بات چیت کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔‘‘

وزیر اعظم پاکستان کا یہ بیان ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کے ہم معنی ہے۔ جنگ کرنا پاکستان کی پہلی غلطی تھی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ باہمی تعلقات کو آخری حد تک بگاڑ کر بات چیت کی پیش کش کی جائے۔ جنگ کسی سادہ واقعے کا نام نہیں۔ جنگ انتہائی قسم کا وہ منفی اقدام ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کے اندر نفرت اور دوری کے جذبات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ جو علاقہ پہلے صرف ایک جغرافی علاقے کی حیثیت رکھتا تھا، وہ اب اُس کے لیے وقار کا سوال (prestige issue) بن جاتا ہے، اور جب جنگ کا انجام یک طرفہ شکست کی صورت میں نکلے تو اس کے بعد فاتح فریق کے اندر اپنے موقف کی صداقت پر یقین بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

ماضی کی ناکام لڑائیوں کے یہ نتائج اب پوری طرح واقعہ بن چکے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان جنگ سے پہلے جو معتدل فضا پائی جاتی تھی، وہ اب پوری طرح برباد ہوچکی ہے۔ ایسی حالت میں یہ امکان ختم ہو چکا ہے کہ میز کی بات چیت (negotiation) کا کوئی مفید نتیجہ برآمد ہو۔ بات چیت کے لیے معتدل فضا لازمی طور پر ضروری ہے، جب کہ دونوں ملکوں کے درمیان یہ معتدل فضا اب موجود ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب خود اپنی نادانیوں کے نتیجے میں پاکستان کے لیے بات چیت کا انتخاب (choice) سرے سے باقی نہیں رہا۔ اب پاکستان کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ کشمیر کو فراموشی کے خانے میں ڈال دے۔ وہ کشمیر کے بغیر پاکستان کی تعمیر کی منصوبہ بندی کرے، وہ ملے ہوئے کی بنیاد پر پاکستان کی ترقی کی عمارت کھڑی کرے۔ پاکستان کے لیے یہی واحد دانش مندی کا طریقہ ہے۔

Mar-2012

امن اور ترقی

فروری 2012 میں اسلام آباد (پاکستان) کے ایک معروف عالم انڈیا آئے۔ انھوں نے انڈیا کے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ اِن سفروں کے دوران اُن کو یہ موقع ملا کہ وہ انڈیا کے مسلمانوں کے حالات قریب سے دیکھ سکیں۔ دہلی میں 7 فروری 2012 کو اُن سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے تعجب کے انداز میں کہا کہ — انڈیا میں بہت زیادہ امن پایا جاتا ہے، اور انڈیا کے مسلمان کافی ترقی کررہے ہیں۔ مذکورہ عالم کے لیے یہ بات خلافِ توقع تھی، کیوں کہ پاکستانی میڈیا کے ذریعے انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ انڈیا کے مسلمان ہر اعتبار سے تباہی کا شکار ہیں، انڈیا کے مسلمانوں کو نہ آزادی حاصل ہے اور نہ وہ یہاں ترقی کرسکتے ہیں، وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ترقی کا تعلق اِس سے نہیں ہے کہ مسلمانوں کا علاحدہ بلاک بنایا جائے۔ یا نظامِ مصطفی کے نام پر ہنگامہ خیز تحریکیں چلائی جائیں۔ اِس قسم کی تحریکیں ترقی کے لیے بالکل غیر متعلق ہیں۔ ترقی کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے — امن اور آزادی۔ یہ دونوں چیزیں انڈیا میں پوری طرح موجود ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جس نے انڈیا کے مسلمانوں کو یہ موقع دیا کہ وہ یہاں ترقی کرسکیں۔

ترقی ہمیشہ معتدل حالات میں ہوتی ہے۔ اِسی معتدل حالت کو امن کہا جاتا ہے۔ امن کے حصول کا راز ایک لفظ میں، اسٹیٹس کوازم (statusquoism) ہے۔ جو لوگ ترقی چاہتے ہوں، اُن کو یہ کرنا چاہئے کہ وہ نام نہاد انقلابی تحریکوں کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ وہ موجود صورتِ حال (statusquo) کو علی حالہ مان لیں۔ وہ موجود امکانات کو پر امن طور پر استعمال کریں اور بقیہ تمام چیزوں کو مستقبل کے خانے میں ڈال دیں۔ اِسی تعمیری طریقے کا نام دانش مندانہ منصوبہ بندی ہے۔ اِس دنیا میں کوئی نتیجہ خیز کام صرف دانش مندانہ منصوبہ کے ذریعے انجام پاتا ہے، نہ کہ جذباتی ہنگامہ آرائی کے ذریعے۔ جذباتی ہنگامہ آرائی صرف نقصان میں اضافہ کرتی ہے، وہ کسی مفید نتیجے تک پہنچنے والی نہیں — یہ واقعہ اہلِ کشمیر کے لیے ایک رہنما سبق کی حیثیت رکھتا ہے۔

Mar-2012

غیر اصولی موقف نہیں

نزاعی امور میں کبھی غیر اصولی موقف اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا موقف ہمیشہ کاؤنٹر پروڈکٹیو (counter productive) ثابت ہوتا ہے، یعنی الٹا نتیجہ پیدا کرنے والا۔

اِس معاملے کی ایک تازہ مثال پاکستان ہے۔ پاکستان نے انڈیا کے خلاف ''لڑائی'' میں ایک غیر اصولی موقف اختیار کیا۔ انھوں نے غیر حکومتی تنظیموں کو ہتھیار دیا اور ان کی فوجی تربیت کی، تاکہ وہ انڈیا کے خلاف پراکسی وار (proxy war) لڑسکیں۔ یہ کام پاکستان میں بہت بڑے پیانے پر کیا گیا۔ پاکستان کے تمام لوگ اِس واقعے کو جانتے تھے، مگر میرے علم کے مطابق، پاکستان کے کسی بھی شخص یا جماعت نے بالاعلان اس کی مذمت نہیں کی۔ کسی نے بھی اِس معاملے میں نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیا۔ اب 60 برس سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد یہ پالیسی خود پاکستان کے لیے تباہ کن ثابت ہورہی ہے۔ اِس تباہی کی خبریں روزانہ میڈیا میں آرہی ہیں۔

یہ طریقہ سراسر اصول کے خلاف تھا۔ مسلمہ اصول کے مطابق، ہتھیار کا استعمال صرف ایک قائم شدہ حکومت کے لے جائز ہے۔ غیر حکومتی تنظیموں (NGOs) کے لیے کسی بھی عذر کی بنا پر ہتھیار اٹھانا ہرگز جائز نہیں۔ غیر حکومتی تنظیموں کے لیے صرف دو میں سے ایک کا اختیار حاصل ہے، یا تو وہ کامل طور پر امن کے دائرے میں اپنی کوشش انجام دیں، یا پھر وہ خاموشی کا طریقہ اختیار کرلیں۔ اِس کے بجائے، ہتھیار اٹھانا یا تشدد کرنا اُن کے لیے تھرڈ آپشن (third option) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اِس معاملے میں تھرڈ آپشن لینا اپنے آپ میں ایک جرم ہے، وہ ہرگز کوئی اصلاحی اقدام نہیں۔

آدمی کو چاہیے کہ اجتماعی زندگی میں جب بھی وہ کوئی اقدام کرے تو وہ عقلی طور پر جائز اقدام (rationally justified action) ہو۔ اجتماعی زندگی میں اقدام کا معاملہ بے حد نازک ہوتا ہے۔ اِس معاملے میں آدمی کو چاہئے کہ وہ جائز اقدام کرے اور اگر جائز اقدام ممکن نہ ہو تو وہ عملاً معاملے سے الگ رہ کر اس کی اصلاح کے لئے اللہ سے دعا کرے۔

Mar-2012

لیڈروں کا دہرا کردار

اسامہ بن لادن کا عمومی تشخص یہ ہے کہ وہ مغرب کے سخت دشمن تھے اور جہاد کے نام پر مغرب کے خلاف متشددانہ کارروائیوں کے سب سے بڑے حامی تھے۔ 3 مئی 2011 کو پاکستان (ایبٹ آباد) میں وہ ہلاک ہوگئے۔ یہ ان کا کردار بحیثیت ایک لیڈر تھا۔ باپ کی حیثیت سے اُن کا کردار اِس سے بالکل مختلف تھا۔

اسامہ بن لادن کے برادرِ نسبتی (brother-in-law) زکریا (Zakaria al-Sadah) کا ایک انٹرویو ٹائمس آف انڈیا (نئی دہلی) میں سنڈے ٹائمس (لندن) کے حوالے سے چھپا ہے۔ اِس انٹرویو میں انھوں نے بتایا کہ — اسامہ بن لادن نے اپنے بیٹوں اور اپنے پوتوں سے کہا تھا کہ تم لوگ یورپ اور امریکا جاؤ، وہاں اچھی تعلیم حاصل کرو، اور اچھی زندگی گزارو۔ تم کو تعلیم حاصل کرنا ہے، امن کے ساتھ رہنا ہے۔ تم وہ نہ کرو جو میں کررہا ہوں یا جو میں نے کیا:

He told his own children and grand children, 'Go to Europe and America and get a good education, and live a good life. You have to study, live in peace and don't do what I am doing or what I have done'. (*The Times of India,* New Delhi, February 14, 2012, p. 20)

یہ صرف ایک شخص کی بات نہیں، یہی اِس معاملے میں موجودہ زمانے کے تمام مسلم لیڈروں کا حال ہے۔ وہ دوسروں کو مغرب سے نفرت کرنا سکھاتے ہیں، وہ قوم کے بچوں کو جہاد کے نام پر تشدد کے راستے پر ڈالتے ہیں، مگر خود اپنے بچوں کے لیے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جدید تعلیم حاصل کریں اور مغربی ملکوں میں آباد ہوکر وہاں پرامن زندگی گزاریں۔ ایسے لیڈروں کو نصیحت کرنا بے کار ہے، کیوں کہ وہ خود اپنی روش کبھی نہیں بدلیں گے، البتہ جو لوگ نادانی میں اُن لیڈروں کا ساتھ دیتے ہیں، اُن کو چاہئے کہ وہ ہوش مندی کا طریقہ اختیار کریں۔ وہ ایسے لیڈروں کی جذباتی باتوں کو ہرگز نہ سنیں۔ وہ خود اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لئے پُرامن تعمیر کا طریقہ اختیار کریں۔

Mar-2012

بحران کے وقت

16 مئی 2011 کا واقعہ ہے۔ کیتھے پیسفک ائرویز (Cathay Pacific Airways) کا ایک جہاز (Airbus, 330) سنگاپور سے جکارتا (انڈونیشیا) جارہا تھا۔ اِس جہاز میں 136 مسافر سوار تھے۔ راستے میں جہاز کے ایک انجن میں آگ لگ گئی۔ پائلٹ نے جہاز کو دوبارہ واپس لاکر سنگاپور میں اتار دیا۔

نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (17 مئی 2011) میں اِس خبر کو دیتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ایک مسافر نے گھبرا کر جہاز کی کھڑکی کے باہر دیکھا۔ وہ چلایا کہ — میں آگ دیکھ رہا ہوں، میں آگ دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے پیچھے بیٹھے ہوئے مسافر یہ دعا کررہے تھے — خدایا، ہمارے جہاز کو بچا، خدایا، ہم کو اپنی حفاظت عطا فرما:

'I see fire! I see fire!' "Behind us, passengers were praying: 'God, save our flight! Give us Your protection!'" (*The Times of India,* New Delhi, May 17, 2011)

تجربہ بتاتا ہے کہ آدمی جب کسی بحرانی صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے، جب وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ پیش آمدہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل عاجز (helpless) ہے۔ اُس وقت وہ بے تابانہ طور پر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اِس کی ایک مثال مذکورہ واقعے میں ملتی ہے۔

اِس طرح کے بحران (crisis) کے واقعات آدمی کی زندگی میں بار بار پیش آتے ہیں۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا تصور انسان کی فطرت میں پیوست (interwoven) ہے۔ ہر انسان کو امکانی طور پر (potentially) خدا کی معرفت حاصل ہے۔

دعوت الی اللہ کا مقصد اِسی امکان کو واقعہ بنانا ہے۔ دعوت انسانی شخصیت سے الگ کوئی چیز نہیں، وہ اس کی اپنی شخصیت ہی کا ایک حصہ ہے۔ اِسی لیے آدمی جب اپنی اِس فطرت کو دریافت کرلیتا ہے تو وہ توحید کی دعوت کو اِس طرح قبول کرلیتا ہے جیسے کہ وہ اس کی اپنی چیز تھی۔

Mar-2012

جسمانی معذوری کے باوجود

کیمبرج یونی ورسٹی (برطانیہ) میں نظریاتی سائنس کے پروفیسر اسٹفن ہاکنگ 8 جنوری 2012 کو 70 سال کے ہوگئے۔ ان کی عمر کے 70 سال پورا ہونے پر کیمبرج یونی ورسٹی کے وائس چانسلر (Leszek Borysiewic) نے ایک بیان دیا۔ انھوں نے کہا کہ — اگرچہ اپنی عمر کے بڑے حصے میں اسٹفن ہاکنگ (Stephen Hawking) وہیل چیر پر رہے، اور وہ صرف کمپیوٹر کے ذریعے ہی بول سکتے تھے، مگر رموزِ کائنات کے بارے میں اسٹفن ہاکنگ کی تلاش نے اُن کو درست طور پر دنیا کا سب سے زیادہ مشہور سائنس داں بنا دیا۔ اسٹفن ہاکنگ نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری اِس شہرت کا تعلق میری جسمانی معذوری سے ہے۔ لوگوں کو یہ چیز مسحور کرتی ہے کہ میں اپنی جسمانی محدودیت کے باوجود کس طرح کائنات کے انتہائی وسیع موضوع کو اپنی بحث کا موضوع بناتا ہوں:

> Despite spending most of his life in a wheelchair and being able to speak only through a computer, the theoretical physicist's quest for the secrets of the universe has made him arguably the most famous scientist in the world. "I am sure my disability has a bearing on why I am well known," he once said. "People are fascinated by the contrast between my very limited physical powers, and the vast nature of the universe I deal with." (*The Times of India,* New Delhi, Jan 9, 2012, p. 13)

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس دنیا میں کسی آدمی کی جسمانی معذوری (disability) اس کے لیے ایک ایڈوانٹج (advantage) بن سکتی ہے۔ فطرت کے اصول کے مطابق، جسمانی معذوری کا شکار ہونے والا آدمی کلّی معنوں میں معذور نہیں ہوتا۔ جسمانی معذوری کے باوجود اس کی ذہنی صلاحیت (intellectual ability) بدستور برقرار رہتی ہے۔ جسمانی معذوری کا شکار ہونے والا آدمی اگر مایوسی میں مبتلا نہ ہو، وہ اپنی صلاحیت کو ترقی دینے کی کوشش میں لگ جائے، وہ اپنے بالقوہ کو بالفعل بنانے کی کوشش کرے تو عین ممکن ہے کہ جسمانی معذوری کے باوجود وہ اُن لوگوں سے بھی زیادہ کامیاب زندگی حاصل کرلے جو بہ ظاہر کسی جسمانی معذوری کا شکار نہیں۔

Mar-2012

ایک عام کمزوری

ایک مسلمان اپنی اہلیہ کے ساتھ ملاقات کے لیے آئے۔ ایک گھنٹے کی ملاقات کے دوران میں نے محسوس کیا کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ اُن کو کوئی قلبی تعلق نہیں۔ البتہ اِس دوران اُن کے موبائل پر بار بار ان کے بچوں کے ٹیلی فون آتے رہے۔ اپنے بچوں سے ٹیلی فون پر وہ اِس طرح گفتگو کرتے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کو اپنے بچوں سے نہایت گہرا قلبی تعلق ہے۔

میں نے اُن سے کہا کہ آپ کا کیس اُسی طرح ایک نادان باپ کا کیس ہے جیسا کہ دوسروں کا کیس ہوتا ہے۔ آپ جیسے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ آپ کو جو چیز عملاً ملی ہوئی ہے، اُس کو آپ بھرپور طور پر استعمال نہیں کرتے اور جو چیز آپ کو ملنے والی نہیں، اُس کو آپ اپنا سب سے بڑا کنسرن (concern) بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے پاس دو چیزیں ایسی ہیں جو عملاً آپ کو حاصل ہوچکی ہیں— ایک، آپ کا اپنا وجود۔ اور دوسرے، آپ کی بیوی۔ آپ نے اپنے معاملے میں یہ کیا کہ آپ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرسکے، اور بیوی کے معاملے میں آپ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُن کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں وہ مایوسی کا شکار ہیں، وہ اپنی زندگی کا کوئی تخلیقی کردار (creative role) دریافت نہ کرسکیں۔ دوسری طرف، آپ کا یہ حال ہے کہ آپ کی تمام دلچسپیاں اپنے بچوں کے ساتھ وابستہ ہوگئی ہیں، حالاں کہ یہ بچے آپ کو ملنے والے نہیں۔ آپ کا بیٹا اور آپ کی بیٹی دونوں آپ کو چھوڑ کر خود اپنی الگ زندگی بنائیں گے، وہ ہرگز آپ کے کام آنے والے نہیں۔ آپ ملی ہوئی چیز کو ضائع کررہے ہیں اور نہ ملنے والی چیز کے لیے آپ بے فائدہ طور پر اپنی تمام توجہ لگائے ہوئے ہیں۔

یہ معاملہ موجودہ زمانے میں تقریباً تمام لوگوں کا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہر آدمی ''کھونے'' کا کیس بن رہا ہے۔ کوئی آدمی حقیقی معنوں میں ''پانے'' کا کیس نہیں۔ آدمی اپنی اِس غفلت کو اپنی عمر کے آخر میں اُس وقت دریافت کرتا ہے، جب کہ اِس تباہ کن غفلت کی تلافی کا وقت اُس کے پاس نہیں ہوتا۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ حاصل شدہ کو اپنا مرکزِ عمل بنائے، نہ کہ غیر حاصل شدہ کو۔

Mar-2012

کامیاب زندگی کا اصول

کامیاب زندگی کا ایک اصول یہ ہے کہ آدمی اپنے عمل کے لیے کسی ایسے میدانِ کار کا انتخاب نہ کرے جس کے لیے وہ صرف جزئی طور پر اہل (competent) ہو۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے بارے میں یہ دریافت کرے کہ وہ کس کام کی زیادہ بہتر صلاحیت رکھتا ہے اور پھر وہ اُسی کام کو اپنے عمل کا میدان بنائے۔ کسی کام میں حقیقی کامیابی کے لیے کلّی اہلیت درکار ہوتی ہے۔ جزئی اہلیت کے ذریعے کوئی شخص کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا۔

یہ زندگی کا ایک اہم اصول ہے، مگر عجیب بات ہے کہ بہت کم ایسے افراد ہیں جو اِس اصول کے مطابق، اپنی زندگی کی تعمیر کریں۔ بیش تر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ محض شوق کے تحت ایک ایسے میدان میں داخل ہوجاتے ہیں جس کے لیے وہ پوری طرح اہل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ بیش تر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے عمل کا آغاز حوصلہ مندی کے ساتھ کرتے ہیں، مگر آخر کار وہ مایوسی کا شکار ہوتے ہیں اور پھر وہ اِسی حال میں مرجاتے ہیں۔ ہر آدمی کا یہ معاملہ ہے کہ اس کے اندر فطری طور پر بعض صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے اِس پہلو کو دریافت کرے۔ وہ صرف اُس کام میں اپنے آپ کو لگائے جس کے لیے وہ اپنی صلاحیت اور اپنے حالات کے اعتبار سے زیادہ اہلیت (competence) رکھتا ہو۔

کسی بھی عورت یا مرد کو یہ غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ایسے میدان میں کود پڑے جس میں وہ بہتر کارکردگی کا ثبوت نہ دے سکتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کے اندر تعلیمی کام کی صلاحیت ہے تو اس کو سیاست کے میدان میں نہیں کودنا چاہیے۔ اگر ایک شخص کے اندر علمی کام کی صلاحیت ہے تو اس کو بزنس نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایک شخص کے اندر روایتی کام کی صلاحیت ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ غیر روایتی کام کو اپنا میدانِ کار نہ بنائے، وغیرہ۔ اِسی کا نام منصوبہ بندی (planning) ہے، اور منصوبہ بندی کے بغیر اِس دنیا میں کوئی اعلیٰ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

Mar-2012

’انا‘ کی دیوار

یوپی (انڈیا) کے ایک شہر کا واقعہ ہے۔ یہاں ایک مسلم عالم نے ایک مدرسہ بنایا۔ اِس کے بعد وہاں حکومت کی طرف سے ایک سڑک کی تعمیر کی گئی۔ یہ سڑک مدرسے کی عمارت کے پاس سے گزر رہی تھی۔ یہاں مدرسے کی ایک دیوار تھی جو سڑک کی تعمیر میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ مدرسے کے لوگ اِس دیوار کو ہٹانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ پختہ دیوار ہے، ہم اِس کو کیسے ہٹا سکتے ہیں۔ آخر کار یہ معاملہ بڑھ کر نزاع تک پہنچ گیا۔

ایک دوسرے مدرسے کے ذمے دار جو الرسالہ مشن سے وابستہ ہیں، اُن کو معلوم ہوا تو وہ اُس متنازعہ مقام پر گئے۔ انھوں نے مدرسے کے ذمے داروں سے کہا کہ یہ نہ پختہ دیوار ہے اور نہ غیر پختہ دیوار۔ یہ صرف انا کی دیوار ہے۔ اِس کے بعد مدرسے والے اِس دیوار کو ہٹانے پر راضی ہوگئے اور سڑک اپنے نقشے کے مطابق تعمیر کردی گئی۔ اِس واقعے کے بعد اہلِ مدرسہ اور حکومت کے ذمہ داروں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہوگئے۔ اِس کا مزید فائدہ یہ ہوا کہ وہاں اسلامی دعوت کی راہ ہموار ہوگئی۔

اکثر حالات میں یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کو لوگ رکاوٹ کہتے ہیں، وہ حقیقی رکاوٹ نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ضد اور انا کی رکاوٹ ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک سنگین مسئلہ بن جاتی ہے۔ اِس طرح کے مسائل کے موقع پر اگر دانش مندی سے کام لیا جائے تو مسئلہ اِس طرح ختم ہوجائے گا جیسے کہ وہ تھا ہی نہیں۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ مسئلہ صرف ایک ذہنی مسئلہ ہوتا ہے، وہ کوئی حقیقی مسئلہ نہیں ہوتا۔

ہر مسئلہ ابتداءً ایک چھوٹا مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ صرف لوگوں کا غیر دانش مندانہ رویہ ہے جو ایک چھوٹے مسئلے کو بڑا مسئلہ بنا دیتا ہے۔ اِس طرح یہ ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ بدستور باقی رہتا ہے اور نئے زیادہ پیچیدہ مسئلے پیدا ہوجاتے ہیں۔ دانش مندی یہ ہے کہ مسئلے کو پہلے ہی مرحلے میں ختم کردیا جائے۔ مسئلے کا بڑھنا کسی بھی حال میں مفید نہیں، خواہ وہ فرد کا معاملہ ہو یا جماعت کا معاملہ۔

Mar-2012

سوال وجواب

سوال

ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے دعوت کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ انھوں نے اِس سے عدم اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ غیر مسلموں کو دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ قرآن میں صاف طور پر آیا ہے کہ: **إنّ الذین کفروا سواء علیهم أأنذرتهم أم لم تنذر هم لا یؤمنون** (2:6) یعنی جن لوگوں نے کفر کیا، اُن کے لیے یکساں ہے، تم اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ براہِ کرم، اِس سوال کی وضاحت فرمائیں (شارق حسین، نئی دہلی)

جواب

قرآن کی اِس آیت کا تعلق عمومی معنوں میں دعوت الی اللہ سے نہیں۔ اُس کا تعلق اصلاً صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر (contemporary) ایک گروہ سے ہے جس کے اوپر پیغمبر اسلام نے لمبی مدت تک دعوتی جدوجہد کی، اِس کے باوجود وہ لوگ انکار کی روش پر قائم رہے۔ اِس آیت کا تعلق منصوبۂ دعوت سے نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تہدیدی اعلان ہے۔ اِس آیت سے برعکس طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ پر لازماً دعوت کا عمل کیا جائے گا۔ اس کو کسی بھی حال میں بند نہیں کیا جائے گا۔ یہ اللہ کا معاملہ ہے کہ وہ اِس گروہ کو ایمان کی توفیق دے یا نہ دے۔ دعوت، اہلِ ایمان کی ذمے داری ہے اور مدعو کو قبول حق کی توفیق دینا اللہ کا کام۔

قرآن کی اِس آیت کے نزول کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ گروہ کے درمیان دعوت کا کام بند نہیں کیا، بلکہ آپ نے اس کو بدستور جاری رکھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ کا کام ہر حال میں جاری رکھا جائے گا، حتی کہ ایسے گروہ پر بھی جو علمِ الٰہی کے مطابق، اُس کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ داعی کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ داعی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ مخاطب اس کی بات کو قبول کرے گا یا وہ اس کو قبول نہیں کرے گا۔ دوسری جگہ قرآن میں یہ آیت آئی ہے: **فذکر إنما أنت مذکّر، لستَ علیهم بمصیطر إلا من تولّی وکفر، فیعذبه الله العذاب الأکبر** (88:21-24)۔

Mar-2012

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ داعی کی ذمے داری صرف یہ ہے کہ وہ آخر وقت تک اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا رہے۔ جہاں تک نتیجہ (result) کا تعلق ہے، وہ اس کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کردے۔

سوال

اہلِ کتاب خصوصاً نصاریٰ سے متعلق یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ موجودہ دور کے عیسائی بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے نجات اخروی کے مستحق ہیں یا نہیں۔ کیا ان کے لئے اللہ کی نازل کردہ کتاب انجیل مقدس کافی نہیں ہے۔ اخروی نجات کا معاملہ تو خدا اور بندہ کا پرسنل معاملہ ہے، اور اس کے لئے خدائے واحد کو ماننا، آخرت پر ایمان رکھنا اور عمل صالح کرنا کافی ہے، جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے: **إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون** (2: 62)۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ نے اہلِ انجیل کو انجیل کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے: **وليحكم أهل الانجيل بما أنزل الله فيه، ومن لم يحكم بما أنزل الله فاولئك هم الفاسقون** (5:47)۔ وضاحت فرمائیں (محمد سمیع اللہ، ممبئی)

جواب

1- اِس سوال کے سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ طرز فکر اپنے آپ میں درست نہیں۔ ''نجاتِ اُخروی'' کا مستحق کون ہے، اِس کا علم صرف خدا کو ہے۔ کوئی بھی شخص اگر اِس معاملے میں اپنی رائے دیتا ہے تو وہ ایک ایسے دائرے میں داخل ہوتا ہے جس میں داخل ہونے کا سرے سے اس کو کوئی حق حاصل نہیں۔ ہمارا کام صرف دعوت دینا ہے، نہ کہ اِس سوال پر رائے زنی کرنا کہ نجاتِ اخروی کا مستحق کون ہے۔ اِس معاملے میں قرآن اور حدیث میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً اِس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **وما أدري ما يفعل بي ولا بكم** (46:9) یعنی میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ یہی بات ایک حدیث رسول میں اِن الفاظ میں آئی ہے: **والله ما أدري، وأنا رسول الله، ما يُفعل بي ولا بكم** (صحيح البخاري، رقم الحديث: 7018)

Mar-2012

یعنی خدا کی قسم، میں نہیں جانتا، خدا کی قسم، میں نہیں جانتا، اگر چہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمھارے ساتھ۔

قرآن کی اِس آیت اور اِس حدیثِ رسول سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نجاتِ آخرت کا معاملہ سرتاسر اللہ کے فیصلے کا معاملہ ہے۔ ہمارے ایمان اور ہمارے عمل کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ نجات کی عملی دعا ہے، وہ نجات کی قیمت نہیں۔ ہماری ذمے داری صرف یہ ہے کہ ہم ہر ایک کو یکساں طور پر اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ جہاں تک آخرت کے انجام کی بات ہے، وہ تمام تر اللہ کا معاملہ ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے علم کی بنیاد پر ہر ایک کے لیے اُس کے اخروی انجام کا فیصلہ کرے گا۔

2- قرآن کی دوسری آیت جس کا آپ نے حوالہ دیا، اُس کا ترجمہ یہ ہے: ''بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاری اور صابی، اُن میں سے جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اس نے عملِ صالح کیا، تو اُس کے لیے اُس کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور اُن کے لیے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے'' (2: 62)۔

اِس آیت میں دراصل گروہی نجات کی تردید ہے۔ نجات کا تعلق کسی فرد کے ذاتی عمل سے ہے، نہ کہ مجرّد کسی گروہ سے وابستہ ہونے کی بنا پر۔ اِس معاملے میں مسلم گروہ کا بھی کوئی استثنا نہیں۔ یہاں مسلمانوں کو دوسرے مذہبی گروہوں سے الگ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مسلمانوں کا اور دوسرے پیغمبروں سے نسبت رکھنے والی امتوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ گروہ ہونے کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک سب برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ گروہ کے اعتبار سے، ایک گروہ اور دوسرے گروہ میں کوئی فرق نہیں۔ سب کی نجات کا ایک ہی محکم اصول ہے، اور وہ ہے— ایمان اور عملِ صالح۔ کوئی گروہ اپنے آپ کو خواہ مسلمان کہتا ہو، یا وہ اپنے آپ کو یہودی، یا مسیحی، یا صابی کہے، اُن میں سے کوئی بھی محض ایک مخصوص گروہ ہونے کی بنا پر خدا کے یہاں کوئی خصوصی درجہ نہیں رکھتا۔ درجے کا اعتبار صرف اِس بات پر ہے کہ کس نے خدا کی منشا کے مطابق، اپنی عملی زندگی کو ڈھالا۔

یہاں اِس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ تاریخی اعتبار سے، نہ کہ مدارِ نجات کے اعتبار سے،

Mar-2012

وہ تمام مذاہب یکساں حیثیت رکھتے ہیں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ مگر اب سے 14 سو سال پہلے خدا کا آخری رسول آیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ پچھلی تمام شریعتیں اللہ نے منسوخ قرار دے دی ہیں۔ اِسی طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ زمین کے اوپر خدا کا مستند دین ہونے کی حیثیت صرف اسلام کو حاصل ہے، جو شخص خدا کی مرضی کو معلوم کرنا چاہے، اُس کو لازمی طور پر اسلام کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اصولاً دوسرے کسی طریقے کی پیروی میں وہ خدا کی رضا حاصل نہیں کرسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا مواخذہ تمام تر اِس بات پر منحصر ہے کہ اُس کو کس درجے میں خدا کا پیغام پہنچا تھا۔ اور اِس کا علم صرف اللہ کو ہوسکتا ہے، نہ کہ کسی انسان کو۔ جہاں تک ہماری ذمے داری کا تعلق ہے، وہ یقینی طور پر دعوت ہے، نہ کہ فتویٰ نافذ کرنا۔

3- آپ نے قرآن کی جو آیت (5:47) نقل کی ہے، اُس کے متعلق مختصراً میں کہوں گا کہ اُس کا تعلق نجاتِ آخرت سے نہیں ہے، اُس کا تعلق مخصوص سماجی حالات میں ایک سزا کے نفاذ سے ہے۔ آج بھی اگر ایسے سماجی حالات پیدا ہوں تو وقتی طور پر اِس اصول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ماہ نامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں:

The Spiritual Message
101, Prathemesh Apartment, Azad Road, Gundavli
Andheri (East), Mumbai-400 069 (India)
Tel.: 022-42214700, Fax: 022-28236323
Email: spiritual.msg@gmail.com

خبرنامہ، الرسالہ مشن کی ڈائرکٹری ہے۔ وہ الرسالہ مشن کی دعوتی سرگرمیوں کا ریکارڈ ہے۔ اس لیے مشن کے تمام ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ اہم دعوتی سرگرمیوں کا ریکارڈ ضروری تفصیل کے ساتھ روانہ فرمائیں، تا کہ اس کو خبرنامہ کے تحت شامل کیا جاسکے۔ یہ تفصیل مضمون کے بجائے صرف تعیّنات کی زبان میں ہو۔ مثلاً تاریخ، مقام، اہم شخصیت کے ساتھ انٹرایکشن کی صورت میں اس کا مکمل نام اور تعارف، دعوتی کام کی نوعیت کی وضاحت، کسی ادارے میں پروگرام کی صورت میں ادارے کا نام اور پروگرام کا موضوع، وغیرہ۔ تفصیلات بذریعہ ڈاک الرسالہ کے پتے پر یا اس ای میل پر روانہ فرمائیں: znadwi@yahoo.com

Mar-2012

خبرنامہ اسلامی مرکز— 215

1- یکم اکتوبر 2011 کو سہارن پور اور اطراف کے بڑے ہوٹلوں اور ریلوے اسٹیشن پر ہندی اور انگریزی ترجمہ قرآن پہنچانے کا مستقل انتظام کیا گیا۔ یہاں سے لوگوں کو ترجمہ قرآن بطور ہدیہ (gift) دیا جارہا ہے۔

2- سہارن پور کے ڈی ایم مسٹر زبیر بن صغیر (IAS) کو 3 اکتوبر 2011 کو سی پی ایس (سہارن پور) کی ٹیم کے لوگوں نے پرافٹ آف پیس اور تذکیر القرآن کا انگریزی ترجمہ برائے مطالعہ دیا۔ اسی طرح سہارن پور کے ڈسٹرکٹ جج مسٹر ایم طاہر تیاگی سے ملاقات کرکے اُن کو دعوتی لٹریچر دیا۔ مسٹر تیاگی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سی پی ایس کے لوگ ہم ججوں کے کام کو آسان کررہے ہیں۔ اگر آپ اسی طرح پرامن انداز میں ذہن سازی کا کام کرتے رہے تو ہمارے سماج میں کرائم (crime) بہت کم ہوجائے گا۔ سہارن پور کے ڈی آئی جی مسٹر جے نارائن سنگھ (IPS) نے صدر اسلامی مرکز کا ہندی ترجمہ قرآن پڑھ کر کہا کہ آپ لوگ فرشتوں والا کام کررہے ہیں کہ لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ 4 اکتوبر 2011 کو مسٹر جے نارائن کے پورے اسٹاف کو قرآن کا ترجمہ دیا گیا۔

3- نیشنل میڈیکل کالج (سہارن پور) میں 3 اکتوبر 2011 کو سرٹفکٹ ڈسٹری بیوشن کا ایک پروگرام ہوا۔ اِس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات شریک تھے۔ ان کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

4- سی پی ایس (نئی دہلی) کے ہال میں 31-29 اکتوبر 2011 کو جموں دعوہ میٹ ہوئی۔ اس میں جموں وکشمیر کے نمائندہ ممبران نے شرکت کی۔ یہ ایک تربیتی اجتماع تھا جو 3 دن تک جاری رہا۔ اِس اجتماع میں جموں وکشمیر کے علاوہ، دوسرے مقامات مثلاً بہار، تمل ناڈو، کرناٹک اور بنگلور، وغیرہ کے ممبران نے بھی شرکت کی۔

5- دہلی یونی ورسٹی کی طرف سے، 6-4 نومبر 2011 کو وینکاٹیشور کالج (نئی دہلی) میں ایک بک فئر لگایا گیا۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی دہلی فیلڈ ٹیم (DFT) نے یہاں اپنا اسٹال لگایا۔ یہاں بڑے پیمانے پر لوگوں نے خرید کر قرآن کا ترجمہ حاصل کیا۔ سی پی ایس کی طرف سے اِن لوگوں کو دعوتی پمفلٹس بطور ہدیہ دئے گئے۔

6- سہارن پور میں 15-9 نومبر 2011 کے دوران ملٹری میں نوجوانوں کے داخلے کا پروگرام تھا۔ اِس میں یوپی کے مختلف مقامات کے کئی ہزار نوجوان شریک ہوئے۔ داخلے میں ناکام ہونے والے نوجوانوں نے شہر میں توڑ پھوڑ کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس کے لوگوں نے ہندی میں ایک اشتہار چھاپا۔ اس کا عنوان تھا— چلیں سفلتا کی اور (چلیں کامیابی کی طرف)۔ اِس اشتہار میں ایک بات یہ لکھی گئی تھی کہ آپ سی پی ایس سہارن پور کے سنٹر سے قرآن کا ترجمہ مفت حاصل کرسکتے ہیں۔ لہذا بڑی تعداد میں اِن نوجوانوں نے پیس ہال میں آکر قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر حاصل کیا۔ اِس کے بعد شہر میں امن کا ماحول قائم ہوگیا، جو بلاشبہہ اشاعتِ قرآن کا نتیجہ تھا۔

7- جے پور (راجستھان) میں 13-11 نومبر 2011 کے درمیان ایک سہ روزہ کانفرنس

Mar-2012

(Environmental Saarc Summit) ہوئی۔ اِس میں ملک اور بیرون ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے شرکت کی۔ سی پی ایس کی دہلی اور جموں وکشمیر ٹیم نے اِس موقع پرجے پور کا سفر کیا۔ یہاں انھوں نے شرکا سے انٹریکشن کیا اوران کو دعوتی لٹریچر دیا۔

8- جنگ پورہ (نئی دہلی) کے مسیحی ادارہ(Christian Institute for the Study of Religion) میں 17 نومبر 2011 کی صبح کو حسبِ ذیل موضوع پر ایک پروگرام تھا:

Religion in Secular India: Rights and Responsibilities

اِس پروگرام کو فادر تھامس نے انٹرفیتھ کولیشن فار پیس (ICP) کے تحت آرگنائز کیا تھا۔ اِس میں انڈیا اور یورپ (ناروے) کے 40 نمائندے شریک تھے۔ یہ پیس ایکٹوسٹس (peace activists) تھے۔ اِس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اپنی ٹیم کے ساتھ اس میں شرکت کی۔ صدر اسلامی مرکز اِس پروگرام کے واحد اسپیکر تھے۔ اُن کو ڈیڑھ گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا، ایک گھنٹہ خطاب کے لیے اور آدھ گھنٹہ سوال وجواب کے لیے۔ صدر اسلامی مرکز نے یہاں انگریزی زبان میں موضوع پر ایک تقریر کی۔ پروگرام کے آخر میں حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

9- نئی دہلی کے اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی (IGNOU) میں 19 نومبر 2011 کو اندرا گاندھی کے یوم پیدائش کے موقع پر ایک پروگرام ہوا۔ یہاں کے وائس چانسلر (VC) ایک کشمیری مسلمان (ڈاکٹر محمد اسلم) ہیں۔ وہ الرسالہ مشن سے بخوبی طور پر واقف ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج ہندستان میں ایک کشمیری مسلمان ایک ہندو یونی ورسٹی (IGNOU) کا وائس چانسلر ہے۔ یہاں ایک مسلمان، ملک کا صدر بن سکتا ہے۔ یہ صرف انڈیا میں ممکن ہے۔ اِس لیے ہمیں ملک کے ساتھ دل سے محبت کرنا چاہئے۔ اِس موقع پر یونی ورسٹی کے اساتذہ اور اسٹاف کو سی پی ایس (سہارن پور) کی طرف سے، قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

10- سہارن پور کے براؤن ووڈ پبلک اسکول (Brown Wood Public School) میں 22 نومبر 2011 کو اسکول کے ایک پروگرام کے دوران قرآن کا انگریزی ترجمہ اور اسکول کی لائبریری کے لیے صدر اسلامی مرکز کی کتابوں کا ایک سیٹ سی پی ایس (سہارن پور) کی طرف سے بطور ہدیہ دیا گیا۔

11- سہارن پور کے اسلامیہ بوائز کالج (Islamia Boy's College) میں 23 نومبر 2011 کو ایک پروگرام ہوا۔ یہاں مہمانِ خصوصی پروفیسر چندراونشی (گجرات) اور ان کی ٹیم کے لوگوں اور دیگر حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

12- استنبول (ترکی) میں 15-11 نومبر 2011 کے درمیان ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ اِس میں دہلی سے گڈورڈ بکس نے حصہ لیا۔ اِس موقع پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلامی لٹریچر حاصل کیا۔

13- سہارن پور کے سینٹ میری اسکول (St. Mary's School) میں 24 نومبر 2011 کو سی پی ایس ٹیم

Mar-2012

کے لوگوں نے وہاں ایک پروگرام میں طلبا کے سامنے قرآن کا تعارف پیش کیا۔ اور طلبا اور اسٹاف کو دعوتی لٹریچر دیا۔

14- سہارن پور کے اسلامیہ ڈگری کالج اور انٹر کالج، دونوں مقام پر 25 نومبر 2011 کو سی پی ایس ٹیم کی طرف سے ''اصولِ صحت'' کے موضوع پر خطاب کیا گیا۔ اس موقع پر دونوں کالج کے طلبا اور اسٹاف کو قرآن کا ترجمہ دیا گیا۔

14- سہارن پور کے سب سے بڑے ڈگری کالج (JV Jain Degree College) میں 26 نومبر 2011 کو ایک پروگرام ہوا۔ اس کی دعوت پر سی پی ایس سہارن پور کی ٹیم کے لوگوں نے اس میں شرکت کی اور امن کے موضوع پر خطاب کیا۔ خطاب کے بعد کالج کے طلبا اور اسٹاف کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

15- سی پی ایس (نئی دہلی) کے ہال میں 26-28 نومبر 2011 کو کشمیر دعوہ میٹ ہوئی۔ اس میں الرسالہ مشن کے تحت کشمیر میں دعوتی کام کرنے والے نمائندہ افراد شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں کشمیر اور دہلی کے ممبران کے علاوہ، دوسرے مقامات (لکھنؤ، کان پور، بہار، کرناٹک، تمل ناڈو اور بنگلور، وغیرہ) کے ممبران نے بھی شرکت کی۔ یہ ایک دعوتی اور تربیتی اجتماع تھا۔ اِس میں صدر اسلامی مرکز کے علاوہ، سی پی ایس کے افراد نے اپنے تاثرات بیان کئے۔ اِس موقع پر یہ طے کیا گیا کہ کس طرح کشمیر میں دعوتی کام کی پُر امن منصوبہ بندی کی جائے۔

16- نیشنل میڈیکل اگنو کمیونٹی کالج (سہارن پور) میں 27 نومبر 2011 کو ایک کانوکیشن بلایا گیا۔ اِس میں پانچ اسٹیٹس (یوپی، ہریانہ، پنجاب، اتراکھنڈ، دہلی) کے پروفیشنل کورسز چلانے والے نمائندوں پر مشتمل ایک پروگرام تھا۔ اِن لوگوں کو سی پی ایس (سہارن پور) کی طرف سے قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

17- نئی دہلی کی یونی ورسٹی اگنو (IGNOU) میں 8 دسمبر 2011 کو یونی ورسٹی کے کیمپس میں ایک پروگرام ہوا۔ اِس میں ملک بھر کے تمام نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر ڈاکٹر محمد اسلم خاں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس میں شرکت کی اور حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا۔

18- اینگلو عربک اسکول (دہلی) میں 11 دسمبر 2011 کو ایک فیٹ (fete) لگایا گیا۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی دہلی دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے افراد نے اس میں شرکت کی۔ یہاں آنے والے زیادہ تر مسلمان تھے۔ ان لوگوں کو قرآن کا اردو ترجمہ، ماہ نامہ الرسالہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

19- بہائی ہاؤس (نئی دہلی) میں 16 دسمبر 2011 کو ایک پروگرام (Solidari Tea Event) ہوا۔ اِس کی دعوت پر سی پی ایس دہلی ٹیم کے لوگوں نے اس میں شرکت کی۔ انھوں نے یہاں کے پروگرام میں حصہ لیا اور یہاں انٹریکشن کے دوران لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا۔

20- سی پی ایس (سہارن پور) کی طرف سے 18 دسمبر 2011 کو بلڈ ڈونیشن (Blood Donation) کا ایک پروگرام کیا گیا۔ اِس موقع پر آنے والے لوگوں کو بطور ہدیہ قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

21- محلّہ ٹوپیا سرائے (سہارن پور) میں 25 دسمبر 2011 کو ایک ''قرآن گھر'' قائم کیا گیا ہے۔ یہاں

Mar-2012

صدر اسلامی مرکز کے تراجم قرآن موجود ہیں۔ لوگ یہاں سے قرآن کے ترجمے حاصل کر رہے ہیں۔

22- نئی دہلی کے سپریم کورٹ کے سینئر مسلم ججوں (Judges) کے ایک وفد نے 28 دسمبر 2011 کو صدر اسلامی مرکز اور سی پی ایس کے ممبران سے C-29 نظام الدین ویسٹ (نئی دہلی) میں ملاقات کی۔ گفتگو کا موضوع تھا— مسلمانوں کے لیے راہِ عمل۔ اِس موضوع پر صدر اسلامی مرکز نے آدھ گھنٹے خطاب کیا۔ اس کے بعد سوال وجواب کا پروگرام ہوا۔ اِن حضرات کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی میٹریل دیا گیا۔

23- ترکی کے ادارہ (Educational Culture & Solidarity Association) کے دو ذمے دار یکم جنوری 2012 کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کے لئے آئے:

M. Necim CAN (President), Mustafa Günes (President Assistant)

ان سے اسلام اور امنِ عالم کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ آخر میں ان کو صدر اسلامی مرکز کی کتابیں دی گئیں۔

24- نئی دہلی کے ماٹر ڈے اسکول (Mater Dei School) میں 8 جنوری 2012 کی شام کو ایک پروگرام ہوا۔ اِس پروگرام میں انڈیا کے علاوہ، اٹلی اور جرمنی کے ایک گروپ نے شرکت کی۔ اِس کا موضوع یہ تھا:

Dialogue on Religion and Globalization

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اسلام کے ریفرنس میں مذکورہ موضوع پر 45 منٹ خطاب کیا۔ اِس پروگرام کو سی پی ایس انٹرنیشنل (نئی دہلی) کی ممبر مز سعدیہ خان نے ماڈریٹ کیا۔ دوسرے شرکا کے علاوہ یہاں سی پی ایس کی ممبر مز ماریہ خان نے امن اور اسلام کے موضوع پر خطاب کیا۔ یہ پروگرام انگریزی زبان میں تھا۔ آخر میں سوال وجواب ہوا۔ پروگرام کے بعد سی پی ایس کی طرف سے لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

25- ہمارے ساتھی 15 جنوری 2012 کو لوٹس ٹمپل (نئی دہلی) گئے۔ وہاں انٹریکشن کے دوران انھوں نے اسٹاف کے لوگوں اور زائرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا۔

26- جے پور (راجستھان) میں 24-20 جنوری 2012 کے دوران ایک انٹرنیشنل لٹریچر فیسٹول تھا۔ اِس فیسٹول میں ملک اور بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے شرکت کی— مصنفین، صحافی، ادبا، فلم اسٹار، فلم ڈائرکٹر، فلاسفر، وغیرہ۔ سی پی ایس، نئی دہلی، تمل ناڈو، کرناٹک اور بہار کی ٹیم کے افراد نے اِس فیسٹول میں شرکت کی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ دعوتی میٹریل لے کر ذاتی خرچ پر جے پور پہنچے اور وہاں فیسٹول کے دوران بڑے پیمانے پر شرکا کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا۔ یہاں الرسالہ مشن سے وابستہ مقامی ساتھیوں نے اپنا بھرپور تعاون دیا۔ اِس موقع پر ہمارے کچھ ساتھی جے پور کے معروف دینی ادارہ جامعہ ہدایت بھی گئے۔ وہاں انھوں نے اساتذہ سے ملاقات کی اور جامعہ کی لائبریری کے لیے مطبوعاتِ الرسالہ کا ایک سیٹ بطور ہدیہ دیا گیا۔

27- امریکی اخبار نیویارک ٹائمس کے لیے اس کی نمائندہ مز ملاوکا (Malavika Vyawahare) نے

Mar-2012

27 جنوری 2012 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو کا موضوع تھا — شتمِ رسول کا مسئلہ۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا جو سی پی ایس (CPS) کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

28- صدر اسلامی مرکز اور سی پی ایس (نئی دہلی) کے ممبران کے مضامین نئی دہلی کے انگریزی اخبار (*The Times of India, The Sunday Times, Guardian*) میں برابر شائع ہو رہے ہیں۔ یہ مضامین سی پی ایس کے ویب سائٹ (www.cpsglobal.org) پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

29- انڈیا اور انڈیا کے باہر ہمارے ساتھی بڑے پیمانے پر دعوتی کام کر رہے ہیں۔ الرسالہ میں صرف اس کی جزئی رپورٹ 'خبرنامہ' کے تحت شائع ہوتی ہے۔ سہارن پور ٹیم کی بعض منتخب دعوتی خبریں یہاں درج کی جاتی ہیں:

30- یکم جنوری 2012 کو وشو ہندو پریشد (VHP) کی طرف سے سہارن پور میں ایک پروگرام تھا۔ اِس موقع پر وی ایچ پی کے ممبر مسٹر سی ایم شرما نے حاضرین کو قرآن کا ہندی اور انگریزی ترجمہ دیا۔

31- ہوٹل پریسڈنٹ میں 2 جنوری 2012 کو مسٹر شاہد صدیقی کی طرف سے شادی کا ایک پروگرام تھا۔ اِس موقع پر تمام لوگوں کو قرآن کا ہندی، اردو اور انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

32- پیس ہال (سہارن پور) میں 3 جنوری 2012 کو تبلیغی جماعت کے کچھ افراد ڈاکٹر اسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کے لئے آئے۔ یہ عرب ملک کے لوگوں کی جماعت تھی۔ اس میں سعودی کے علاوہ، مصر، نائجیریا، فلسطین اور ساؤتھ افریقہ کے لوگ شامل تھے۔ مشن کے ساتھیوں نے اُن سے دعوتی موضوع پر تفصیلی گفتگو کی۔ اِن لوگوں کو صدر اسلامی مرکز کا انگریزی لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔

33- قاری ایم مظاہری 4 جنوری 2012 کو بڑی تعداد میں دعوتی لٹریچر لے کر پنجاب کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ لٹریچر پنجاب میں سکھ برادران کو برائے مطالعہ دیا گیا۔

34- ویدمندر (سہارن پور) میں 9 جنوری 2012 کو ایک میڈیکل کیمپ لگایا گیا۔ اس کی دعوت پر ہمارے ساتھیوں نے اس میں شرکت کی اور حاضرین کو ترجمۂ قرآن اور دعوتی لٹریچر دیا۔ یہاں کے چیف پنڈت اوپی شرما نے اپنے خطاب میں کہا کہ سی پی ایس مشن انسان کو ایشور سے جوڑنے کا کام کر رہا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اس کا ساتھ دیں اور قرآن کا مطالعہ کر کے اسلام کے بارے میں اپنی غلط فہمی کو دور کریں۔ واضح ہو کہ پنڈت اوپی شرما اردو زبان سے بخوبی طور پر واقف ہیں۔ وہ ماہ نامہ الرسالہ کے پہلے شمارہ (اکتوبر 1976) سے اس کے مسلسل قاری ہیں۔

35- انڈیا اینٹی جسٹس کونسل کے قومی صدر مسٹر پون شرما 15 جنوری 2012 کو اپنی ٹیم کے ساتھ پیس ہال میں آئے۔ انٹریکشن کے دوران ان لوگوں کو بتایا گیا کہ سی پی ایس کوئی سیاسی تحریک نہیں ہے۔ اُس کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے — دعوت الی اللہ کا پُر امن پیغام۔ آخر میں اِن لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

36- ہندی روزنامہ 'ہندی ڈیلی' اور 'امر اجالا' (سہارن پور) کے تعاون سے 21 جنوری 2012 کو آئی ایم اے بھون

Mar-2012

میں ایک پروگرام ہوا۔ یہ ڈرائنگ کامپٹیشن کا ایک پروگرام تھا۔ اِس میں انگلش میڈیم کے دو ہزار طلبا وطالبات نے حصہ لیا۔ اِس موقع پر تمام طلبا اور حاضرین کوقرآن کے ترجمے اور دعوتی بروشر دئے گئے۔

37- بیس ہال میں 29 جنوری 2012 کو گنگوہ گروکل کے آچاریہ امرپال سنگھ آریہ نے ایک پروگرام میں خطاب کیا۔ انھوں نے کہا کہ اسلام ایک پُرامن مذہب ہے، وہ کسی ایک قوم کا مذہب نہیں، وہ سارے انسانوں کا مذہب ہے۔ ہم کو چاہیے کہ ہم کھلے دل سے اسلام کا مطالعہ کریں اور اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے مولانا وحید الدین خاں کی کتابیں پڑھی ہیں۔ اِس سے خدا کی پہچان ہوتی ہے اور آدمی کے اندر ذہنی انقلاب پیدا ہوتا ہے۔

38- کشمیر کے مختلف مقامات پر ہمارے ساتھی بڑے پیمانے پر وہاں کے غیر مسلم ٹورسٹس (tourists) اور مقامی لوگوں کے درمیان دعوت کا کام کررہے ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ لوگ وہاں کی انڈین آرمی اور دیگر اعلیٰ سرکاری افسران تک دعوتی پیغام پہنچارہے ہیں۔ یہ لوگ کشمیر کے مختلف سیاحتی مقامات مثلاً پارک، وغیرہ میں جا کر لوگوں سے انٹریکشن کے دوران اُن کوقرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر برائے مطالعہ دیتے ہیں۔

39- امریکا کے لیے صدر اسلامی مرکز کے ٹیلی فونی خطاب کا سلسلہ جاری ہے۔ موضوعات مع تاریخ درج ہیں:

October 30, 2011	“The Man Islam Builds”
November 06, 2011	“Interfaith Dialogue”
November 13, 2011	“Success in the Light of Seerah”
December 04, 2011	“Islam in the Modern Age”
January 01, 2011	“Seerah As a Movement"
January 08, 2012	“Importance of Peace”
January 15, 2012	“Lessons of Optimism from Prophet's Life"
January 29, 2012	“Scholars of Islam”
February 05, 2012	“Seerah of the Prophet Muhammad”
February 19, 2012	“Islam Ki Sarbulandi (Ascendancy of Islam)”

40- قرآن کے انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر کے متعلق قارئین کے چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

Maulana Wahiduddin Khan is an excellent man of reason. He is great blessing of Almighty for people like me. I find him a truly dedicated scholar. His face depicts his truthful personality. I did never find an intellectual personality of his caliber in today’s world of Islam in my life. I am exceptionally thankful for taking up my question and guidance about "Marxism". I have started reading his book and finding it engaging as per my question was concerned. (Tasawwur Hussain, UK)

I want to share with you some news. I have a friend whose name is Afridi a regular reader of Al-Risala and other books of Maulana and is truly a Da'i.

Mar-2012

He installed a plant of oxygen and nitrogen gas in small industrial area near our home. For maintenance he hired an engineer from Rawalpindi, Pakistan. A few days ago, I visited the plant and found the engineer readingAl-Risala copy of December 2011. I did not disturb him and asked my friend. He said that he has been sitting for many hours and also reading only Al-Risala copies of previous months. Today, he called me and said that the engineer wanted to start Al-Risala agency of 10 copies for himself and for his other friends to distribute. Al-Risala gives us positive thinking and appeals everyone. It gives us the message which fully relates to our natures. So people get inspiration when they start reading. (M. Salman, Pakistan)

Thanks for spreading the message of “true” Islam; a task which has been made all the more important, timely and urgent because of the highly un-Islamic activities of some extremists and terrorists. My wife, who converted to Islam, is finding your introduction to Islam to be highly informative. I have finished reading your book *The Prophet of Peace.* It is written clearly, concisely, and constructively. It conveys the urgent message to Muslims to engage in introspection and examine the extent to which Muslims have contributed to the negativity about Islam that we find in practically all non-Muslim countries and to see how we can - individually and collectively - rectify the situation. (Saleem Ahmed, USA)

Dear Maulana, From last 5-7 years, I was so harsh about Islam. I was becoming a non-believer and going far from religion and God. Last week, I read your book *The Prophet of Peace* and it made me live in Islam once again. I want to thank you heartily to make me live in Islam again. (Husain Tosseef, Udaipur, Rajasthan)

صدر اسلامی مرکز کے نام انڈیا اور انڈیا کے باہر سے خطوط بھیجتے وقت اپنا ٹیلی فون نمبر اور
اپنا یا اپنے کسی ساتھی کا ای میل ضرور تحریر فرمائیں۔

بھوپال میں ترجمہ قرآن اور مفت دعوتی پمفلٹ حاصل کرنے کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں:

Mohd. Yoonus Litiyani
D/51, Bagh Umrow Dulha
Bhopal-10
Mob. 09425665277

ایک خصوصی اسکیم

مسجدوں اور اداروں کے لیے مولانا وحید الدین خاں صاحب کی 10 کتابوں کا ایک منتخب دعوتی اور تربیتی سیٹ تیار کیا گیا ہے۔ خواہش مند حضرات اپنا آرڈر روانہ کر کے خصوصی رعایت پر اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمّے ہوگا۔ یہ آرڈر صرف ڈی۔ڈی یا M. O. کے ذریعے روانہ کیا جائے گا۔ یہ رقم ہمارے بینک اکاؤنٹ میں بھی جمع کی جا سکتی ہے۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیل ٹائٹل کے اندرونی صفحہ (inner cover) پر موجود ہے۔ اُن حضرات کے لئے ایک سنہرا موقع جو اپنی طرف سے مسجدوں اور اداروں کو یہ سیٹ ہدیہ کرنا چاہتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہیں:

مسجد سیٹ

1 تذکیر القرآن (اُردو یا ہندی یا انگریزی)
2 کتابِ معرفت
3 اسلامی زندگی
4 قال اللہ و قال الرسول
5 مطالعۂ حدیث
6 سیرتِ رسول
7 الربانیہ
8 دینِ انسانیت
9 عظمتِ اسلام
10 اسلام ایک تعارف

رعایتی قیمت صرف: Rs. 600/-

ادارہ سیٹ

1 تذکیر القرآن (اُردو یا ہندی یا انگریزی)
2 کتابِ معرفت
3 مطالعۂ سیرت
4 مسائلِ اجتہاد
5 الاسلام
6 فکر اسلامی
7 دین و شریعت
8 تجدید دین
9 مذہب اور جدید چیلنج
10 حکمتِ اسلام

رعایتی قیمت صرف: Rs. 600/-

Goodword Books
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110013
Tel. 011 4182 7083, 4652 1511, Fax: 011 4565 1771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

ممبئی میں حلقہ الرسالہ سے وابستہ افراد کی ماہانہ میٹنگ ہر مہینہ کے پہلے اتوار کو حسب ذیل مقام پر ہوتی ہے:

Glow Pharma, 101/2, Prathamesh Apartment
B-Wing 1st Floor, Azad road, Behind BMC Office
Gundavli, Andheri [E], Mumbai-400069
Mehaboob Bhai: 09619163993 Syed Jawed: 09821197534

مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز کتابیں اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

A. H. M. Danyal
Mahatwana, Phulwarisharif, Patna-601505, Bihar
Mob. 9308477841, 0612-3255435

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 25 فی صد ہے۔ 100 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 33 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

- جن اداروں یا افراد کے نام ماہ نامہ الرسالہ اعزازی طور پر جاری کیا گیا ہے، وہ صرف ایک سال کے لئے ہے۔ جو حضرات مسلسل طور پر الرسالہ کو پڑھنا چاہتے ہیں، وہ الرسالہ دفتر کو زرِتعاون کے ساتھ اپنا خریداری نمبر (US No.) یا اپنا مکمل پتہ بھیج کر دوبارہ اپنے پتے پر الرسالہ جاری فرما سکتے ہیں۔

Rahnuma-e-Hayat
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Monday, Tuesday, Wednesday, Thursday 6.30 am

ISLAM FOR KIDS
by
Dr. Farida Khanam/Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Sunday 9.00 am

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر
اتحادِ ملت
احیاء اسلام
اسباق تاریخ
اسفار ہند
اسلام: ایک تعارف
اسلام: ایک عظیم جدوجہد
اسلام اور عصر حاضر
اسلام پندرہویں صدی میں
اسلام دور جدید کا خالق
اسلام دینِ فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام کیا ہے
اسلامی تعلیمات
اسلامی دعوت
اسلامی زندگی
اقوالِ حکمت
الاسلام
الربانیۃ
امن عالم
امہات المومنین
انسان اپنے آپ کو پہچان
انسان کی منزل
ایمانی طاقت
آخری سفر
باغ جنت
پیغمبر اسلام
پیغمبر انقلاب
تذکیر القرآن
تاریخ دعوت حق
تاریخ کا سبق
تبلیغی تحریک
تجدید دین
تذکیۂ نفس
تصویر ملت
تعارف اسلام
تعبیر کی غلطی
تعدد ازواج
تعمیر انسانیت
تعمیر حیات
تعمیر کی طرف
تعمیر ملت
حدیث رسول
حکمتِ اسلام
حقیقت حج
حقیقت کی تلاش
حل یہاں ہے
حیات طیبہ
خاتونِ اسلام
خاندانی زندگی
خدا اور انسان
خلیج ڈائری
دعوت اسلام
دعوت حق
دین انسانیت
دین کامل
دین کی سیاسی تعبیر
دین کیا ہے
دین و شریعت
دینی تعلیم
ڈائری 84-1983
ڈائری 90-1989
ڈائری 92-1991
ڈائری 94-1993
رازِ حیات
راہِ عمل
راہیں بند نہیں
روشن مستقبل
رہنمائے حیات (کتابچہ)
رہنمائے حیات
زلزلۂ قیامت
سبق آموز واقعات
سچا راستہ
سفرنامہ اسپین و فلسطین
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
سوشلزم اور اسلام
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
سیرتِ رسول
شتم رسول کا مسئلہ
صراطِ مستقیم
صوم رمضان
طلاق اسلام میں
ظہور اسلام
عظمت اسلام
عظمت صحابہ
عظمت قرآن
عظمتِ مومن
عقلیاتِ اسلام
علما اور دور جدید
عورت معمارِ انسانیت
فسادات کا مسئلہ
فکر اسلامی
کامیاب ازدواجی زندگی
قال اللہ وقال الرسول
قرآن کا مطلوب انسان
قیادت نامہ
قیامت کا الارم
کاروانِ ملت
کتابِ زندگی
کتابِ معرفت
کشمیر میں امن
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
مذہب اور جدید چیلنج
مذہب اور سائنس
مسائل اجتہاد
مضامین اسلام
مطالعۂ حدیث
مطالعۂ سیرت (کتابچہ)
مطالعۂ سیرت
مطالعۂ قرآن
منزل کی طرف
مولانا مودودی، شخصیت اور تحریک
میوات کا سفر
نارِ جہنم
نشری تقریریں
ہندستان آزادی کے بعد
ہندستانی مسلمان
ہند-پاک ڈائری
یکساں سول کوڈ

Mar-2012